آفتاب صداقت

نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ہو زاہق

ہم حق کو باطل کے سر پر دے مارتے ہیں تب وہ اسکا سر توڑ دیتا ہے اور انجام کار باطل یکایک نابود ہو جاتا ہے!

(القرآن الحکیم)

سرمۂ چشم عباسی

المعروف بہ

آفتاب صداقت

تصنیف لطیف

ذو الفضائل السنیۃ والفواضل البہیۃ حامی اسلام قامع اساس الکفرۃ الظلام

عمدۃ الاذکیا جناب السید محمد رضا صاحب النقوی الامروہوی دامت معالیہ

وطنی پریس امروہہ میں چھپوا کر مصنف نے شائع کیا

کتبہ انتظار احمد امروہوی

قرآن کریم کی ایک عبرت انگیز پیشین گوئی

اور مخبر صادقؐ کی زبانِ وحی ترجمان سے اُسکی تشریح

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝

"پھر کیا یہ قریب ہے کہ اگر تم حاکم ہوجاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور قطع رحمی کو اپنا دستور العمل بنا دیہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پھر اُنکے کانوں کو بہرا کردیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا"۔

صحیح مسلم شریف میں ہے:-

قال حذیفة بن الیمان قلتُ یا رسول اللہ صؐ انا کنا بشر فجاء اللہ بخیر فنحن فیه فھل من وراء ھذا الخیر شر؟ قال نعم قلت ھل وراء ذلك الشر خیر؟ قال نعم قلت فھل وراء ذالك الخیر شر؟ قال نعم۔ قلتُ کیف؟

حضرت حذیفہ بن الیمان ناقل ہیں کہ میں نے جناب سرور کائنات صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے خدا کے رسول ہم لوگ ایک شر میں تھے پس اللہ تعالےٰ نے اُس شر کو ایک خیر سے مبدل کیا (یعنی آپ مبعوث برسالت ہوئے) چنانچہ ہم اس وقت اس خیر میں ہیں پس ارشاد ہو کہ آیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا "ہاں" میں نے کہا کہ کیا اُس شر کے بعد پھر کوئی خیر ہے؟ فرمایا "ہاں" پھر میں نے عرض کیا آیا اُس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ ارشاد ہوا "ہاں" میں نے کہا کس طرح؟

قال یکون بعدی ائمة لا یھتدون بھدی او لا یستنون بسُنّتی وسیقوم فیھم رجال قلوبھم قلوب الشیاطین فی جثمان انس۔ قال۔ قلتُ کیف اصنع یا رسول اللہ صؐ ان ادرکت ذلك؟ قال تسمع وتطیع وان ضرب ظھرك واخذ مالك فاسمع واطع۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد ایسے امام ہونگے جو میری ہدایت پر نہ رہینگے اور میری سنّت پر نہ چلیں گے اور اُن میں عنقریب ایسے لوگ کھڑے ہونگے جنکے قلوب جسم انسانی میں شیاطین کے قلوب کے مانند ہونگے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میری زندگی میں ایسا وقت شر آجائے تو مجھ کو کیا کرنا چاہیئے؟ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے مناسب ہے کہ انکی بات کو سُنے اور اُن کی اطاعت کرے اور اگر تو مارا پیٹا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے تب بھی تو اُن کی بات کو سُن اور اُن کی اطاعت کر"۔

اور **کنز العمال** کی کتاب الفتن میں ہے:-

ان بعدی ائمة ان اطعتموھم اکفروکم و ان عصیتموھم قتلوکم ائمه الکفر ورؤس الضلالة"۔

جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا یقیناً میرے بعد ایسے پیشوا ہونگے کہ اگر تم اُن کی اطاعت کروگے تو وہ تمہیں کافر بنا دینگے اور اگر تم اُن کی نافرمانی کروگے تو وہ تمہیں قتل کردینگے۔ وہ لوگ امام ہونگے کفر کے اور رئیس ہونگے ضلالت کے"۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ؁

سرمۂ چشمِ عباسی

المعروف بہ

آفتابِ صداقت

اعلان عام منجانب مصنف

اس کتاب کا اصلی اور واقعی مخاطب درحقیقت صرف ایک شخص یعنی **تاریخ امروہہ** کا بیباک مصنف ہے جسنے تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کے بہانے سے بلا وجہ امروہہ کے تمام اسلامی معزز اور شریف خاندانوں پر عموماً اور مخدوم **سید شرف الدین** رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد پر خصوصاً بکمال جسارت و وقاحت و افترا پردازی نہایت غیر شریفانہ اور دل آزار حملے کیئے ہیں اور فرقۂ شیعہ امامیہ کو **یہودی المشرب** بتایا ہے لہذا مسلم الثبوت خاندان عباسیہ کے معزز اصحاب اور دیگر شرفا و زعمائے کرام اور صاحبان حرفہ و تاجران ذوالاحترام جنکے ساتھ بنظر اخوتِ اسلامی ہمارا رشتۂ اتحاد و یگانگت قائم ہے اس تحریر میں **ہرگز مخاطب نہیں ہیں اور نہ حضرات ممدوحین سے اس بحث کو کچھ تعلق ہے۔**
ایسی حالت میں اگر کوئی لفظ یا کسی مسئلۂ دینیۂ اختلافیہ کا کوئی تذکرہ حضرات ممدوحین کے معتقدات کے خلاف ہو تو راقم سطور کو براہِ کرم معذور سمجھ کر **مخاطب اصلی** سے جو اپنی تحقیقات پر بہت کچھ نازاں ہے اسکے تحقیقی اور معقول جواب کا مطالبہ کریں اور اسکے دعوٰئ "انا ولا غیری" کو یاد دلائیں۔

وَقُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

العبد الضعیف

محمد رضا ابن السید زاہد حسین النقوی

۱۹۳۳ء

درّۂ فاروقی کے خوف سے مصنف تاریخ احمدو کے مفروضہ جدّامجد کا تقیّہ

علامہ عبدالعزیز بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب التحقیق شرح مختصر ابی محمد اخسکی میں بہ سلسلۂ بحث اجماع لکھتے ہیں:-

وداؤد الظاھری وبعض المعتزلة تمسکوا فی ذٰلک بان السکوت قد یکون للمھابة والتقیة کما قیل لابن عبّاس لما اظھر قولہ فی العول وقد کان ینکرہ ھلا قلت ھذا فی زمن عمرؓ وانہ کان یقول بالعول فقال کان رجلاً مھیباً فھبتہ - وفی روایة منعتنی من ذٰلک درّتہ"۔

داؤد ظاہری اور بعض معتزلہ نے اس مطلب پر کہ اجماع سکوتی سے ثابت نہیں ہوتا، اس بات سے تمسک کیا ہے کہ سکوت کبھی ہیبت اور تقیہ کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضؓ نے جب مسئلہ عول کا انکار کیا ہے تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ حضرت! اس قول کو آپ نے حضرت عمرؓ کے وقت میں کیوں ظاہر نہ فرمایا کیونکہ وہ عول کے قائل تھے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک خوفناک شخص تھے میں اُن سے ڈر گیا بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس قول کے ظاہر کرنے سے حضرت عمرؓ کے دُرّے نے باز رکھا۔

اور حضرت مولانا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ صبح صادق شرح منار کے باب الاجماع میں فرماتے ہیں:-

فانّہ (ابن عبّاس) خالف عمر فیہ فقیل لہ ھلا اظھرت حجتک علٰی عمر فقال مھابة منہ

تحقیق امر یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے مسئلہ عول میں حضرت عمر کی مخالفت کی اور جب اُن سے کہا گیا کہ آپ نے اپنی اس حجت کو حضرت عمر کے روبرو کیوں نہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا "اُن کی ہیبت کی وجہ سے!"

تقیہ کے بارے میں علّامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق

کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:-

قد اجمع الفقھاء علٰی وجوب طاعة السلطان المتغلب والجھاد معہ وانّ طاعتہ خیر من الخروج علیہ لما فی ذٰلک من حقن الدماء وتسکین الدھماء"۔

فقہائے اسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ سلطان ظالم کی اطاعت واجب ہے اور اسی طرح اسکے ساتھ جہاد کرنا بھی واجب ہے، نیز اس کی اطاعت اُس پر خروج کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس اطاعت و فرمانبرداری میں جانوں کی حفاظت اور خونریزی کا انسداد اور مصائب کی تخفیف ہے"۔

فہرست مضامین کتاب ہذا بقید صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ وَکفٰی وَسلامٌ علےٰ عبادہ الّذین اصطفٰی

تمہید کچھ عرصہ ہوا امروہہ کے ایک عجیب الصفات شخص المسمی بہ شیخ محمود احمد المخاطب بہ عباسی ایجوکیشنل کانفرنسی کی جدید التالیف تاریخ امروہہ پر سید فیاض حسین صاحب نقوی کی تنقید لطیف کا دوسرا حصہ موسوم بہ نسب نامہ عباسیہ ہماری نظر سے گذرا تھا۔ اس تنقید میں قابل مصنف نے خود محمود احمد مذکور کی مسلمہ کتابوں کی رو سے اور نیز ان معتبر اصول درایت کی بنا پر جنکو محمود احمد نے بھی تنقید روایات کا محفوظ ترین اصول تسلیم کیا ہے اس امر کو محققانہ طور پر قابل اطمینان طریقہ سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ جناب عباسؓ المشہور بہ عم رسولؐ جن کی نسل میں معدود دبونے کا تاریخ امروہہ کے مصنف کو نہایت شوقیہ دعوی اور اس پر منتہائے افتخار و مباہات ہے حقیقتاً حضرت عبد المطلب کے صلبی بیٹے نہیں تھے اور نہ کسی طرح عقلاً ہو سکتے ہیں ۔

اسمیں شبہ نہیں کہ یہ معرکۃ الآرا تاریخی انکشاف ایک ایسی حقیقت ہے جسنے مطلبیت اور ہاشمیت کے تمام مصنوعی ملبوساتِ فاخرہ کو شجرۂ عباسیہ کے مرایئے متشکل اور متلبس کے بدن سے بزور نقاب اتار کر علی رؤس الاشہاد اس کی اصالتِ مستورہ کو بے حجاب کر دیا ہے ۔

حضرت عباسؓ پر عمِ رسولؐ کا مجازاً اطلاق

حقیقت یہ ہے کہ فاضل مصنف کی یہ تحقیقات مشگگین کے ہر ایک وہم اور وسوسہ کا کامل طور پر ازالہ کرتی ہوئی ایک ناقد اخبار کو اس بحث سے بالکل مستغنی کر دیتی ہے کہ جن رواۃ کے بیانات مین جناب عباسؓ کو عمِ رسولؐ کہا گیا ہے ان کی محدثانہ جرح و تعدیل کیطرف توجہ کیجائے بلکہ اُن تمام روایات کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے اُنکی توجیہ اسطرح بخوبی ممکن ہے کہ جناب عباس رضی اللہ عنہ حضرت عبدالمطلب کی کسی زوجہ کے شوہر اولی کے صلب سے پیدا ہوئے ہون اور وہ اس جہت سے حضرت عبدالمطلب کے ربیب ہون جو بمنزلہ فرزند کے ہوتا ہے:۔

اس قسم کے استعمالات ہر زبان اور ہر ملک مین شایع و ذایع ہین مثلاً قرآن مجید مین اب کا لفظ باپ کے علاوہ چچا کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہین جب معلوم ہوا کہ "آذر" جو آپ کا چچا تھا اور قرآن مین جس پر ابیہ کا اطلاق کیا گیا ہے) شرک اور بت پرستی کی نجاست مین ملوث ہے تو آپ نے اوس سے تبرّا کیا (فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ)

آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا نہ باپ

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب درج منیفہ فی آباء الشریف مین آیات قرآنی "تقلبک فی الساجدین" "وانما المشرکون نجس" اور حدیث "لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات" پر بحث کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی کی اس رائے سے اتفاق رکھتے ہین:۔

حینئذ یجب القطع بان والد ابراہیم ما کان من الکافرین انما کان ذاک عمہ الی ان قال وبذلک

اب یہ امر بالکل یقینی اور قطعی ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد ہرگز کافر نہین تھے اور آیہ قرآنی مین جس شخص کو باپ کہا گیا ہے لامحالہ وہ آپ کا چچا تھا ...... اور اس

يثبت ان والد ابراهيم ما كان من عبدة الاوثان وان آزر لم يكن والده بل كان عمه

دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کسی طرح بتوں کے پرستار نہین ہو سکتے اور تحقیق بات یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہین تھا بلکہ چچا تھا۔

پھر علامہ سیوطی فرماتے ہین :-

واما آزر فالارجح كما قال الرازي انه عم ابراهيم على نبينا وعليه السلام لا ابوه وقد سبق الى ذلك جماعة من السلف فروينا بالاسانيد عن ابن عباس رض ومجاهد و ابن جرير والسدي قالوا ليس آزر ابا ابراهيم بن تارخ ووقفت على اثر في تفسير ابن المنذر صرح فيه بانه عمه "

"رہا آزر کا معاملہ اس بارہ مین سب سے زیادہ صحیح اور مستحکم بات جیسا کہ امام رازی نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ انکا باپ ہرگز نہین تھا۔ اور یہ وہ مسلک ہے جسکی طرف سلف صالحین کی ایک جماعت نے سبقت کی ہے چنانچہ بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رض اور مجاہد و ابن جریر و سدی کی روایات ہم تک پہونچی ہین جنمین بالاتفاق ان حضرات کا بیان ہے کہ آزر حضرت ابراہیم بن تارخ کا باپ نہ تھا اس کے علاوہ تفسیر ابن المنذر مین مجکو ایک ایسی حدیث ملی ہے جسمین اس امر کی تصریح موجود ہے کہ فی الحقیقت وہ آپ کا چچا تھا۔

اور حضرت بحر العلوم مولانا عبد العلی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" مین اس مسئلہ پر مکمل تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین :-

واما آزر فالصحيح انه لم يكن ابا ابراهيم بل ابوه تارخ كذا صحح في بعض التواريخ وانما

"رہا آزر کا قصہ اسکے متعلق صحیح واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا باپ آزر نہ تھا۔ بلکہ آپکے والد ماجد تارخ نامی ایک بزرگ تے بعض تواریخ مین اس واقعہ کی صحت کا پورا ثبوت ملتا ہے

کان اٰذر عم ابراھیم علیہ السلام ودعاہ اللہ تعالیٰ فی حجرہ فی العرب تسمی العم الذی ولی لتربیۃ ابن اخیہ ابًا لہ الخ	اور اس کے سوا کوئی بات صحیح قرار نہیں پاتی کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ خداوند عالم نے اوس کے آغوش میں آپ کی پرورش کی اور عرب میں یہ دستور ہے کہ جو چچا اپنے بھتیجے کی پرورش اور تربیت کا کفیل ہوتا ہے تو اوسکو اوس بچہ کا باپ کہکر پکارتے ہیں۔"

علمائے مذکورین کے علاوہ دیگر محققین او رمتقدین اہل سنت نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور جو دلائلِ قاطعہ اس مقصد پر اُنہوں نے قایم کیے ہیں وہ کسی طرح اوٹھائے اوٹھ نہیں سکتے (ملاحظہ ہو منح مکیہ مصنفہ علامہ ابن حجر مکی)

ربائب پر بنات کا اطلاق

اسی طرح عربی زبان میں "بنت" کا لفظ جیسا کہ بیٹی کے معنی میں بولا جاتا ہے ایسا ہی "ربیبہ" کیلیے بھی اس کا استعمال جاری و ساری ہے۔ مثال کیلئے حضرت رقیہ و زینب کو جو ابتداءً کفار کی زوجیت میں تہیں (تاریخ خمیس دیار بکری) اور مابعد حضرت ذوالنورین کے عقد میں آئیں اکثر روایات عامہ میں انکو بنات رسول اللہ کہا گیا ہے حالانکہ متقدمین علمائے شیعہ کی تحققات سے ثابت ہوچکا ہے کہ یہ دونو لڑکیاں درحقیقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ام ہالہ بنت خویلد کے بطن سے تہین لیکن چونکہ وہ ام المومنین حضرت خدیجہ کے زیر کفالت و تربیت تہین اور بلحاظ متعارف وہ لڑکیاں آنحضرت صلعم کو باپ کہتی تہیں اس لیے بنات رسول مشہور ہوگئیں۔

بعینہٖ یہی حال لفظ عم کا ہے چونکہ جناب عباس رضی اللہ عنہ پرورش یافتہ اور ربیب حضرت عبد المطلب کے تسلیم کیے گئے ہیں اسلیے "عم رسول" کے لفظ سے اُن کا شہرت و عزت پانا خلاف توقع نہیں ہو سکتا۔

عباسی کیمپ سے ایک اشتہار کا اجرا

تاریخ امروہہ کے مصنف کو یہ زیبا تھا کہ "نسب نامہ عباسیہ" سے اختلاف کی صورت میں وہ اپنے وجوہ اختلاف کو شریفانہ طریقہ سے کتابی شکل میں پیش کرتا لیکن ہماری استعجاب کی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ سید فیاض حسین صاحب کے علمی رسالہ کو "سوقیانہ"

بتاتے ہوئے اس کی جانب سے امروہہ کے بازاروں میں، گلیوں اور کوچوں میں جابجا ایک لمبا چوڑا جوابی اشتہار اس کے کسی مقتدائے اعظم کے فنافی اللّٰہی شغلہ "الھانی الصفق بالاسواق" کی یاد دلاتا ہوا در و دیوار پر چسپاں نظر آتا ہے۔

اشتہار نویس کی دو عجیب الخلقت آوازیں

اشتہار کا لکھنے والا عجیب بھبکیوں کے ساتھ غراتا ہوا النسب نامہ عباسیہ کے مصنف کو علماء و مجتہدین کے فتاوی سے ڈراتا اور دھمکاتا ہے۔ مگر ان فتاوی کے اندر کوئی چیز اوس کے باطل ارادوں اور ناجائز تمناؤں کو پورا کرنے والی نظر نہیں آتی۔ عنوان اشتہار میں سرکس اور تھیٹر والوں کی طرح ایک بگل بجاتا ہے جس سے دو عجیب الخلقت آوازیں پیدا ہوتی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ حضرت عباسؓ کی شان میں اسارت ادب کرنے والا فاسق و آثم ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ حضرت عباسؓ کے نسب سے انکار کرنے والا موذی رسول ہے اور موذی رسول صلعم پر دنیا و آخرت میں عذاب اور لعنت ہے۔

مشتہر کی گھبراہٹ بدحواسی بیتابی اور سراسیمگی کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ نسب نامہ عباسیہ کے کس صفحہ اور کس سطر پر حضرت عباسؓ کی شان میں اسارت ادب کا ارتکاب کیا گیا ہے اور اسارت ادب کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ محمود احمد و فرید احمد کی تحقیقات اور مسلمات کی رو سے "اقرار العقلاء علی انفسہم مقبول" کی بنا پر خود انہیں کے مقابل الزام و استناداً یا واقعات اصلیہ کا اظہار و ایراد کسطرح اسارت ادب کا مترادف ہو سکتا ہے؟

علمائے شیعہ کی طرف جو دو عدد فتاوی منسوب کئے گئے ہیں، انمیں کس فقرے یا کس لفظ کا یہ مفہوم ہے کہ جناب عباس حضرت عبد المطلب کے صلبی فرزند تھے۔ اور جو کوئی ان کو صلبی فرزند حضرت عبد المطلب کا اعتقاد نہ کرے وہ موذی رسول ہے؟ اشتہار اہل نظر کے سامنے ہے۔ اگر مشتہر "حبّ الشئ یعمی و یصم" کا مصداق ہو چکا ہے تو دنیا اندھی

نہین ہوگئی. صاحبانِ بصارت جب ان فتاویٰ مین اشتہاری مرد میدان کے دعوے کا ثبوت نپائین گے تو قدرتاً ان کی زبان "لعنۃ اللہ علےٰ الکاذبین" کی تلاوت سے رُک نہین سکتی:

منشی محمود احمد ہون یا اُن کے کوئی اور حامی و مددگار انہین یہ سمجھنا تھا کہ علمائے مجتہدین کے فتاوی محض فقہی مسائل مین حاصل کئے جاتے ہین. تاریخی واقعات و حالات کی تنقید یا کسی کے شجرۂ نسب کی تحقیق و تفتیش کو تقلید و اجتہاد سے کیا ربط ہے؟ جن حضرات نے یہ ظاہر کیا ہے کہ جناب عباس رضی اللہ عنہ فرزندان حضرت عبدالمطلب سے ہین انہون نے درحقیقت روایات پر اعتماد کیا ہے اور اُن روایات کی تنقید کیطرف خواہ مخواہ توجہ نہین فرمائی جسکی وجہ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اُنکی نظر مین کوئی خاص اہمیت نہ رکھتا تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی اسلئے کہ:-

نجات آخرت کا معصوم عن الخطا عترت کی پیروی پر انحصار

نبی کریم کے ذوی القربیٰ یا عترت و اہلبیت جنکی مودت و اطاعت مسلمانون پر علی الاطلاق واجب کیگئی ہے اور عاقبت کی فلاح اور رستگاری جنکی پیروی پر موقوف ہے، وہ صرف اُنہین ذواتِ مقدسہ مین منحصر اور محدود ہین جو قول پیغمبرؐ "لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" کے مطابق کسی حیثیت سے اور کسی وقت مین کتاب اللہ سے جدا نہوسکین یعنی مثل پیغمبرؐ معصوم عن الخطا ہون. لاریب ایسے ملکوتی صفات دارالاسلام مین وہی نفوس قدسیہ مین جنکو خود مخبر صادق نے کلمہ حصر "ھؤلاء اھل بیتی" کی نص صریح کے ساتھ معین و مشخص کر دیا ہے:-

اس حقیقت کو جھٹلایا نہین جاسکتا کہ یہ فضائل و کمالات وہبیہ سوائے ذریتِ رسولؐ کے کسی دوسرے شخص مین نہین پائے جاتے چہ جائیکہ تمام افراد بنی ہاشم ان صفات لاہوتیہ کے حامل بن سکین

حدیث ثقلین کا ذکر

الفاظِ حدیث اس مقصد پر اسدرجہ صریح الدلالت ہین کہ محض ایک معمولی اور سرسری نظر کرنیسے یہ مدعا اپنے یقینی الثبوت ہونے مین کسی بحث و تنقید کا

محتاج نہین رہتا ارباب تحقیق اس مشہور واقعہ سے بے خبر نہین رہ سکتے کہ امت محمدی کی ہدایت اور رفلاح آخرت اور تحفظ عن الضلالت کیلئے جسمین تمام صحابہ مہاجرین وانصار حتی کہ حضرات خلفاے ثلثہ بھی یقیناً داخل ہین جناب صاحب الوحی علیہ الصلواۃ والتسلیم کی یہ سب سے آخری اور مکمل تبلیغ تھی کہ آپنے بکمال شفقت وعطوفت مسلمانونکو یہ نصیحت فرمائی کہ :-

اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْنِیْ كَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْهِمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیْ	اے مسلمانو! مین تم لوگونکے لئے ایسی چیزین چھوڑتا ہون کہ اگر تم انکا اتباع کروگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہوگے۔ ان دونو چیزدنمین سے ایک دوسری سے بزرگ ہے یعنی کتاب اللہ جو گویا ایک رسّی ہے جسکا سلسلہ آسمان سے شروع ہوکر زمین تک منتہی ہوتا ہے اور دوسری میری عترت واہلبیت ہین۔ یہ دونون (قران وعترت) ایک دوسرے سے جدا نہونگے یہانتک کہ حوض پر میرے پاس پہونچین اب دیکھنا ہے کہ تم ان دونوکے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو میری

(شرح مشکوٰۃ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی) اس نصیحت کا کہانتک لحاظ وپاس کرتے ہو"

امام اہل سنت علامہ حافظ شہاب الدین ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ صحیح ترمذی کی حدیث مذکور کو بلفظہٖ نقل فرماکر اس کے چند دیگر طرق اپنی مشہور کتاب الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ مین درج کرتے ہین۔ از آنجملہ بعض یہ ہین :-

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض۔	جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا "مین تمہارے درمیان دو گران قدر چیزین چھوڑے جاتا ہون جنمین ایک کتاب خدا ہے جو ایک ایسی رسّی ہے جسکو آسمان

وعترتی اهل بیتی وانّ اللطیف الخبیر اخبرنی انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض فانظروا بم تخلفونی فیهما۔

سے زمین تک کھنچا گیا ہے دوسری میری عترت و اہلبیت ہین۔ اور مجھ خداوند لطیف وخبیر نے یہ خبر دی ہے کہ یہ دونو چیزین ایک دوسرے سے جدا نہونگی یہان تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہون۔ اب دیکھنا ہے کہ تم لوگ میرے بعد اُن کے ساتھ کس طرح سلوک کرتے ہو۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

وفی روایة صحیحة انی تارك فیکم امرین لن تضلوا ان اتبعتموهما وهما کتاب الله واهل بیتی عترتی

اور صحیح روایت مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مین دو چیزین تمہارے درمیان چھوڑتا ہون۔ اگر تم ان دونو کی پیروی کروگے تو ہرگز ہرگز گمراہ نہوگے اور وہ دو چیزین کتاب اللہ اور میرے اہل بیت وعترت ہیں

زاد الطبرانی انی سالت ذلك لهما فلا تقدموهما فتهلکوا ولا تقصروا عنهما فتهلکوا ولا تعلموهم فانّهم اعلم منکم

طبرانی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ مین نے ان دونو چیزونکے متعلق خداوند عالم سے یہی سوال کیا تھا۔

اس لئے تمہین یہ سزاوار نہین کہ قرآن وعترت پر اپنی رائے کو مقدم کرو ورنہ تم ہلاک ہوجاؤگے اور نہ انکے بارے میں کوتاہی تقصیر کرو ورنہ اسکا نتیجہ بھی ہلاکت ہوگا۔ اور تم اُنہیں سبق مت پڑہاؤ یقیناً وہ تم سے کہین زیادہ علم رکھتے ہین۔"

حدیث ثقلین کو بیس سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہے۔

حافظ ممدوح طُرق مذکورہ کو بالاجمال نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:۔

ثم اعلم انّ لحدیث التمسك بذلك

واضح ہو کہ اس حدیث تمسک بقرآن و اہل بیت کے طریقے

طرقاً كثيرة وردت عن نيف و عشرين صحابياً الخ	کثرت کے ساتھ وارد ہوئے ہیں اور بیس سے کسی قدر زیادہ صحابہ کرام کی جماعت نے اس حدیث شریف کو روایت کیا ہے"

اسی ذیل میں حافظ علام نے اُن طریقون کے بعض مواقع کی بھی صراحت کی ہے کہ جہان رسول رب العالمین نے اس حدیث کو ارشاد فرمایا تھا۔ مثلاً (۱) حجۃ الوداع میں بروز عرفہ (۲) خاص مدینہ طیبہ میں بحالت بیماری در آنحالیکہ حجرہ مقدسہ اصحاب رسول سے بھرا ہوا تھا۔ (۳) غدیر خم کے موقع پر جبکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے مجمع مین سرور دو عالم نے بکمال اہتمام من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کا فرمان واجب الاذعان جاری فرمایا۔ (۴) طائف سے مراجعت کے موقع پر در آنحالیکہ پیغمبر خدا نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

علامہ ممدوح مواقع مذکورہ کی تعین کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

انہ کرر علیھم ذلك فی تلك المواطن وغیرھا اھتماماً بشان الکتاب العزیز والعترۃ الطاھرۃ"	"مواقع مذکورہ اور نیز اونکے علاوہ دوسرے موقعوں پر نبی کریم نے بار بار اس حدیث شریف کا اسلئے اعادہ فرمایا تاکہ کتاب اللہ اور عترت طاہرہ کا متہم بالشان ہونا بخوبی واضح ہو جائے"

الغرض حدیث مذکور کی صحت و تواتر کے ثبوت مین فریقین کے معتبر کتب و اسفار دینیہ مین اس کثرت کے ساتھ شواہد و ادلہ پائے جاتے ہیں جن سے ایک با اصول اور خدا ترس مسلمان کو انکار کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے ؛

انتہا کی بات ہے کہ امام المتکلمین اہلسنت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی جنہون نے مذہب شیعہ کے رد و ابطال میں ایک ضخیم کتاب بنام تحفہ اثنا عشریہ تحریر فرمائی ہے اور باقتضائے ضرورت وقت فضائل اہل بیت میں جابجا شکوک و شبہات پیدا کرنے کی جنہوں نے انتہائی

کوشش کی ہے خدا کی شان ہے کہ اس حدیث ثقلین میں کسی قدح کی اُن حضرت کو بھی جرأت نہ ہو سکی۔ اور اس کی صحت کا نہایت شد و مد کے ساتھ اعتراف فرمایا ہے۔" اسی تحفہ اثنا عشریہ میں محدث ممدوح قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

حدیث ثقلین کے متعلق مولانا شاہ عبدالعزیز محدث کا عقیدہ

"باید دانست کہ باتفاق شیعہ و سنی این حدیث ثابت ست کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمودہ انی تارک فیکم الثقلین ماان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی احدہما اعظم من الاخر کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی

پس معلوم شد کہ در مقدمات دینی و احکام شرعی مارا پیغمبر حوالہ باین دو چیز عظیم القدر فرمودہ است۔ پس مذہبے کہ مخالف این دو باشد در امور شرعیہ عقیدۃً وعملاً باطل و نامعتبر ست وہر کہ انکار این دو بزرگ نماید گمراہ و خارج از دین"

تشخیص اہل بیت میں علامہ ابن حجر مکی کی تحقیقات

اب رہا عترت و اہلبیت کی تشخیص کا مسئلہ، اس کے متعلق حضرت علامہ حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب صواعق محرقہ کے باب فضائل اہلبیت میں بسلسلہ ذکر حدیث ثقلین فرماتے ہیں:۔

تنبیہ سمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن وعترتہ وھی بالمثناۃ الفوقیۃ الاھل والنسل والرھط الادنون ثقلین لان الثقل کل نفیس خطیر مصون وھذان کذالک اذ کل منہما معدن للعلوم اللدنیہ

اس حدیث میں رسالتماب صلعم نے قرآن مجید اور اپنی عترت پر جو اہل اور نسل اور قریب ترین رشتہ داروں کے معنی میں ہے ثقلین کا اطلاق فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ثقل ہر اُس چیز پر بولا جاتا ہے جو فی نفسہ نفیس اور عظیم الشان اور محفوظ ہو۔ اور یہ ایک امر واقعی ہے کہ یہ دو نو چیزیں قرآن و عترت اسی پایہ کی ہیں کیونکہ اُن میں کی ہر ایک چیز خدائے وہبی علوم اور نہایت دشوار گذار حقیقتوں اور شاندار حکمتوں

والاسرار والحكم العلمية و
الاحكام الشرعية ولذا حث
صلى الله عليه وسلم على الاقتداء
والتمسك بهم والتعلم منهم وقال
الحمد لله الذى جعل فينا
الحكمة اهل البيت وقيل سميا
ثقلين لثقل وجوب رعاية
حقوقهما ثم الذين وقع الحث
عليهم منهم انما هم العارفون
بكتاب الله وسنة
رسوله اذ هم الذين
لا يفارقون الكتاب
الى الحوض ويؤيده
الخبر السابق ولا
تعلموهم فانهم اعلم
منكم وتميزوا بذلك
عن بقية العلماء لان
الله اذهب عنهم الرجس
وطهرهم تطهيرا وشرفهم

اور شرعی احکام کا سرچشمہ ہیں یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والتسلیم نے اہل بیت سے تمسک اور اقتدا کرنے اور ان سے علم
حاصل کرنے کی طرف اپنی امت کو ترغیب وتحریص فرمائی
اور ارشاد فرمایا کہ سزاوار حمد وثنا وہ خدا ہے جس نے ہم
اہلبیت کو حکمت کا مرکز قرار دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن
وعترت پر ثقلین کا لفظ اس لئے بولا گیا ہے کہ ان دونوں کے حقوق
کی رعایت کا وجوب بہت زیادہ وزنی ہے۔ پھر یہ امر بھی
قابل لحاظ ہے کہ جن اہل بیت وعترت کے اقتدا و تمسک پر حث
پیغمبر میں متوجہ کیا گیا ہے وہ ایسے نفوس طاہرہ ہیں جو حقیقت
کتاب اللہ اور سنت رسول کی کامل معرفت رکھنے والے
ہیں جو اسبات سے ظاہر ہے کہ حدیث میں تصریح کر دی گئی ہے
کہ وہ حضرات تا ورود حوض قرآن سے جدا نہیں ہو سکتے
اس کی مزید تائید جناب خاتم الرسالتؐ کے اس قول سے
بخوبی ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تم انکو سبق مت سکھاؤ
وہ تم سے کہیں زیادہ مدارج علمیہ پر فائز ہیں۔ اس نص کی تصریح
سے عترت واہلبیت اور دوسرے علمائے اسلام کا فرق
بالکل نمایاں ہو جاتا ہے اس لئے کہ اہلبیت وہ لوگ ہیں
جن سے خدا نے ہر قسم کی برائی اور انسانی کمزوری اور
لغزش کو دور رکھا ہے اور انہیں کما حقہ پاک اور طاہر قرار

بالكرامات الباهرة
والمزايا المتكاثرة و
قد مر بعضها ×××××
وفي احاديث الحث على
التمسك باهل البيت اشارة الى عدم
انقطاع متاهل منهم للتمسك به الى
يوم القيامه كما ان
الكتاب العزيز كذالك
ولهذا كانوا امانا
لاهل الارض كما
ياءتي ويشهد لذلك
الخبر السابق في
كل خلف من امتي
عدول من اهل بيتي
الى آخره ثم احق من
يتمسك به منهم امامهم و
عالمهم علي بن ابي طالب
كرم الله وجهه لما
قدمناه من مزيد علمه

دیا ہے نیز کراماتِ بیّنہ اور فضائل کثیرہ کا انہیں شرف بخشا ہے
چنانچہ اس کے متعلق بعض امور بیان کئے جا چکے ہیں ××
××× اور جن احادیث میں اہلبیت سے تمسک کرنیکی
ترغیب دیگئی ہے، اُنمیں درحقیقت ایک اشارہ اس امر کی
طرف پایا جاتا ہے کہ اہلبیت میں سے کسی ایسے وجود کا
سلسلہ جس سے تمسک کے لئے امت کو حکم دیا گیا ہے قیامت
تک منقطع نہیں ہوسکتا جیسا کہ کتاب اللہ کا انقطاع ناممکن
ہے (یعنی جبکہ قرآن اور عترت دونو ایک ساتھ واجب
الاقتدا بتائے گئے ہیں تو جسطرح مسلمانوں کے درمیان
قرآن مجید کا قیامت تک لغرض تمسک موجود رہنا ضروری
ہے اسی طرح اس مقصد کے لئے عترت طاہرہ کے کسی فرد کا
الی یوم القیامہ خارجاً بقید حیات رہنا نہایت لازمی اور لابدی
ہے ورنہ اگر یہ سلسلہ قیام قیامت سے پہلے کسی وقت میں
منقطع ہوگیا تو مخبر صادقؐ کا کلام یقیناً ایک حد تک راستی اور
صداقت سے معرا ہوجائیگا جو ایک امر محال ہے) یہی وجہ ہے
کہ عترت طاہرہ کو حدیث رسولؐ میں اہل زمین کے لئے امان
بتایا گیا ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا اور حدیث سابق کہ میری
امت کی ہر پشت میں میرے اہل بیت کے عادل موجود رہیں گے
اس مدعا پر شاہد عدل ہے۔ اب اہلبیت رسالت میں سے جو

ودقائق مستنبطاته و من ثم قال ابوبکر رضؓ علیؑ عترة رسول الله صلی الله علیه وسلم ای الذین حث علی التمسک بهم تخصه لما قلنا وکذالک خصه صلی الله علیه وسلم بما مر یوم غدیر خم	جو شخص سب سے اول اس امر کا حق رکھتا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے وہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں جو امام اور عالم اہلبیت ہین۔ آپ کی ذات کی خصوصیت اس معاملہ میں اُن وجوہ سے ہے جو آپ کے زبردست علمی کمالات اور دقائق مستنبطات کے متعلق ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور یہ وہ امور ہیں جنکو پیش نظر رکھکر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ علیؑ عترت رسولؐ ہیں یعنی آپ اُن خاصان خدا سے ہیں جن کی پیروی کی طرف رسولؐ مقبول صلعم نے مسلمانونکو متوجہ کیا ہے اسیوجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی خصوصیت بیان فرمائی اور اسی طرح جناب سرور کائناتؐ نے غدیر خم کے موقع پر آپ کی خصوصیت کا اعلان فرمایا تھا۔"

عترت کے معنی

فی الحقیقت اگر صرف لفظ عترت ہی کے معنی پر غور کیا جائے جو حدیث ثقلین اور دیگر احادیث متواترہ مسلمۂ فریقین میں اہلبیت کے متعلق جناب سرور انبیاءؐ نے بطور تفسیر استعمال فرمایا ہے تو تمام مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے اس لئے کہ لفظ عترت کا اطلاق باتفاق اہل لغۃ تعمیم اقارب کا مانع ہے ملاحظہ ہو صراح اللغۃ جوہری :-

عترة الرجل نسله ورهطه الادنون	کسی شخص کی عترت سے مراد اُس کی نسل ہوتی ہے اور وہ لوگ جو اس کے قریب ترین رشتہ دار ہون۔

اور نہایۃ اللغۃ ابن اثیر جزری میں ہے:-

عترة الرجل اخص اقاربه	کسی شخص کی عترت سے وہ لوگ مراد ہوتے ہین جو اسکے مخصوص ترین قرابت دار ہون۔

اور لسان العرب مصنفہ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم الانصاری الافریقی میں ہے

وقال ابن الاعرابی العترة ولد الرجل و ذریته وعقبه من صلبه قال فعترة النبی صلی الله علیه وسلم ولد فاطمة البتول علیها السلام	ابن الاعرابی کہتے ہیں "کسی شخص کی اولاد اور اس کی ذریت اور اس کے بعد رہنے والے صلبی لوگ اسکی عترت کہلاتے ہیں انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ عترت نبی سے مراد جناب فاطمۃ البتول علیہا السلام کی اولاد ہے"

اور یہی معنی کتاب المخصص ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اللغوی اور قاموس محیط اور تاج العروس وغیرہ کتب معتبرہ مشہورہ میں مندرج ہیں۔

عترت کے مصداق میں حضرت عباسؓ کو کوئی مدخلیت نہیں	ظاہر ہے کہ جناب عباسؓ کو اگر حضرت عبدالمطلب کا صلبی فرزند تسلیم بھی کیا جائے تاہم وہ جناب نہ تو معصوم عن الخطا ہیں نہ

جناب رسالتمآب صلعم کی ذریت و نسل میں داخل ہیں اور نہ کسی طرح بموجودگی اولاد رسولؐ و نفس رسولؐ قریب ترین رشتہ دار اور اخص اقارب (مخصوص ترین قرابت دار) آنحضرت صلعم کے عندالعقل قرار پا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر قطعی ہے کہ نجات آخرت کے معاملہ میں جو ہر بنی آدم کا غایت المقصود ہے نہ جناب عباسؓ اور آل عباسؓ کی مودت و تمسک سے کوئی علاقہ ہے اور نہ سوائے ذریۃ رسولؐ کے کسی دیگر بنی ہاشم کی اطاعت و پیروی سے کچھ سروکار۔

غالباً ان ہی وجوہ سے علمائے کرام کے نزدیک جناب عباس کے نسب کی تحقیق و تنقید میں صرف اوقات کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اب جبکہ محمود احمد کے تبختر و طمطراق اور "ھل من مبارز" کے لازمی نتیجہ میں اصول و درایت کی روشنی میں خود ان ہی کے مسلک کی حقیقت و اقعیت طشت ازبام ہو چکی ہے محض روایات کے ایراد سے کام نہیں چل سکتا ایک نہیں اگر پچاس روایتیں بھی پیش کر دی جائیں تو محض لاطائل اور عبث ہیں تاوقتیکہ انکو حس و مشاہدہ اور دلیل عقل کے مطابق ثابت نہ کیا جائے۔

اصول درایت کی مراعات روایات کی تنقید مین اصول درایت کی مراعات اس درجہ لازمی اور ضروری ہے جسکو محققین اور تبحرین اہل سنت نے بھی مقدم قرار دیا ہے علامہ حافظ محمد انوار اللہ خان حیدرآبادی مدار المہام امور مذہبی اس اصول کی پرزور حمایت و تائید کرتے ہوئے لکھتے ہین :-

"شمس العلما شبلی نعمانی اپنی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہین کہ جو روایت درایت کے مخالف ہے موضوع ہے اور درایت کی چند صورتین بیان کرکے لکھا ہے کہ اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کئے جاتے ہین اور انہین کا نام اصول درایت ہے علامہ ابن جوزی جو فن حدیث مین بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہین کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ حدیث موضوع ہے اس مین راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہین۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ہو (حقیقۃ الفقہ حصہ اوّل)

کاش اگر تاریخ امروہہ کا مصنف سکون و وقار کے ساتھ ان اصول و قواعد کی روشنی مین نسب نامہ عباسیہ کا مطالعہ کرتا تو امر مابہ النزاع کے متعلق علمائے اعلام کی خدمت مین استفتا بھیجنے کی اُسے مطلق زحمت نہ اوٹھانا پڑتی۔

اشتہار نویس کی زبان پر لعنت پھر اشتہار کے لکھنے والے نے ایک عجیب حرکت یہ کی ہے کہ جو شخص جناب عباس کے صلبی فرزند عبد المطلب ہونے سے انکار کرے اس پر لعنت کرنے کو تیار ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلسنت کے مذاق پر یہ شخص تبرّائی شیعہ ہی نہیں بلکہ پکا رافضی ہے کیونکہ تبرّا عن الشخص مذہب اہل سنت کے اجماعاً خلاف ہے یہانتک کہ اکابر علمائے اہل سنت اگرچہ بعلم الیقین جانتے ہین کہ یزید بن معاویہ کے حکم سے جگر گوشہ رسولؐ مقبول امثل

گوسفند قربانی کربلا کے ریگ گرم پر تین دن کا بھوکا پیاسا مع اعزا و اقربا انتہائی ظلم و ستم کیساتھ ذبح کیا گیا
پھر بھی وہ یزید اور قاتلان امام مظلوم پر لعنت کرنا خلاف شریعت محمدی اور بدعت سَیِّئہ
قرار دیتے اور لعنت کرنے والوں کو "رافضی" اور "بدعتی" کا خطاب عطا فرماتے ہیں؛ [لہ]

اشتہار نویس کے استدلال پر تعرض	اے انصاف والو! کیا تمہارے عقیدے میں فرزند رسول کا قتل رسول اللہ کی اذیت کا سبب نہ ہوگا اور آج جناب عباس رض کو محض عبد المطلب کا صلبی

بیٹا تسلیم نکرنیوالوں کے لئے جو آیت قرآنی "ان الذین یوذون اللہ ورسولہ الآیہ" پیش
کی جاتی ہے وہ قاتلان حسین ع پر بدرجہ اولی عاید نہ ہوگی؟ کیا رسول اللہ کو سابق الاسلام
اور یکے از عشرہ مبشرہ مقبولہ اہل سنت سے جس کی شان "انا وعلی من نور واحد"
"وانت اخی فی الدنیا والاخرہ" خود سیرۃ العباس کے مصنف نے صفحہ ۳۹ پر تسلیم کی
ہے اتنی محبت بھی نہ تھی جتنی اپنے چچا عباس رض سے جو ایک دراز مدت تک "وانذر عشیرتک
الاقربین" کی مخصوص اور مسلسل ہدایت و تبلیغ کے باوجود مخالفت رسول پر مصر رہنے کے بعد
ایمان لائے؟ پھر کیا خدا کو حاضر و ناظر جان کر ناصبیت مآب ہیں ایماناً بتا سکتے ہیں کہ جن لوگوں
نے علی ع کو جمل کے میدان میں اذیت پہونچی صفین کے معارک کارزار میں اذیت پہونچی
اور مابعد اسّی برس تک بطریق سب و شتم علی الاعلان پہونچتی رہی آیا اُن کی بابت بھی آپ ایسی
ایسا لفظ استعمال فرما سکتے ہیں جیسا کہ منکرین نسب عباسیہ کے حق میں آپ آیہ قرآنی ان
الذین یوذون اللہ ورسولہ" الآیہ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ احادیث
صحیحہ مقبولۂ اہل سنت سے یقینی طور پر ثابت ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ جس نے
علی ع کو ایذا دی اُسنے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے خدا کو ایذا دی جس نے
علی ع کو برا کہا اُسنے مجھکو برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اُس نے اللہ کو برا کہا اور جس نے اللہ کو

لہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ "ان الامر بقتل الحسین بل قتلہ لیس بحجۃ للعنۃ علی مقتضی مذہب اہل السنۃ" یعنی مقتضائے مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق
حسین کے قتل کا حکم دینا بلکہ اُن کو قتل کرنا لعنت کی حجت نہیں ہو سکتا"

برا کہا خدا اُسکو دوزخ میں ڈالے گا. اور اس کے لئے سخت اہانت والا عذاب ہے" ملاحظہ ہون الفاظِ حدیث :۔

من اذی علیا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ" اخرجہ احمد و ابن عبد البر فی الاستیعاب" من سبّ علیا فقد سبّنی ومن سبّنی فقد سبّ اللہ ومن سبّ اللہ ادخلہ اللہ النار و لہ عذاب مھین" اخرجہ احمد والحاکم والدیلمی" لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اگر آپنے ایسا قصد فرمایا تو جو حضرات اہل سنت غلطی سے آپ کو سنّی سمجھے ہوئے ہیں اُنپر آپ کی حقیقت صاف الم نشرح ہو جائیگی اور آپ تہرا دار التسنن کو الوداعی سلام کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے خارج البلد ہونگے کہ :۔

"بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے"

اس سے بڑہکر اشتہار نویس کے دہوکے اور فریب کی ایک یہ کاروائی ہے کہ باوجودیکہ وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ نسب نامہ عباسیہ کے فاضل مصنف کا مذہب شیعہ اثنا عشری ہے، بااین ہمہ حضرات اہل سنت کے فتاوی ان کے مقابلہ میں بطور شواہد کے پیش کرتا ہے اسی کو کہتے ہیں "استشہاد الارنب بذنبہ" یعنی خرگوش سے اس کے دعوی کے ثبوت میں گواہ طلب کیا جائے تو اپنی دُم کو پیش کردے کہ یہی میری گواہ ہے اس کی تمثیل بالکل ایسی ہے کہ کوئی ہندو بت پرستی کی ثبوت میں مسلمانوں کے مقابل شیو پران سے یہ استشہاد کرے کہ گرڈر جی رنیل کنٹھ) کی پوجا کا اسمین صاف ذکر موجود ہے لہذا تمہاری توحید باطل ہوئی ماشاءاللہ کیا خوبصورت استدلال ہے عباسیت کا غالباً یہی طرہ امتیاز معلوم ہوتا ہے جس سے آپ کے روشن دماغ میں عالم بالا کی سیر کا شوق پیدا ہوا ہے۔

"بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی ست"

عباسی اشتہار مین دہوکہ بازی | قیامت تو یہ ہے کہ یہ شخص جہوٹ بولنے میں اسقدر

دلیر معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی صحیح النسب النسان ایسی جرأت کرسکے۔ نسب نامہ عباسیہ کے خواب سے عاجز آکر غالباً وہ اسکے ذی علم مصنف سے مجادلہ ومقاتلہ کے لئے تمام اہلسنت الجماعۃ کو اپنا ہم خیال بناکر برانگیختہ کرتا ہے چنانچہ اُسکے اشتعال انگیز الفاظ یہ ہیں:۔

"برادران اہل سنت والجماعت کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس شخص نے حضرت عباسؓ کے علاوہ خلفائے راشدین مین سے حضرت عثمان کے نسب پر صفحہ سطر ۱۵ مین کینہ حملہ کیا ہے اور ان کے دادا کو معاذاللہ غلام زادہ بتایا ہے"۔

اس سے بڑھکر رذالت کی دلیل کیا ہوگی کہ باوجود ادعائے تسنن بدحواسی کے عالم مین جراگاہِ جہل وحماقت کا یہ حمّال ناشخص اسبات کو بالکل بھول جاتا ہے کہ عزت و احترام اور تعظیم وتکریم اور اقتدار ومحبت کے معاملہ مین عامۃ المسلمین کے لیے تمام صحابہ کرام کی حیثیت بالکل یکسان ہے جیساکہ حدیث "ماانا علیہ واصحابی" اور "اصحابی کالنجوم" وغیرہ احادیث کی روسے مسلم ہوچکا ہے اس بارے مین خلفائے راشدین کی کوئی تخصیص نہیں ہے اگر کسی ایک صحابی پر بھی کوئی طعن وتشنیع کی جائے تو اہلسنت کے نزدیک دین وایمان فی الفور رخصت ہوجاتا ہے لہذا مشتہر کا اصلی مقصد صرف اسی ایک حیلہ سے حاصل تھا کہ جناب عباسؓ کے بارے مین مصنف "نسب نامہ عباسیہ" کے خلاف اپنی غلط بیانیون پر اکتفا کرتا۔ اُسنے یہ خیال بالکل غلط قائم کیا کہ جب تک خلفائے راشدین پر کسی حملہ آوری کا الزام تصنیف نہ کیا جائیگا۔ تنہا جناب عباسؓ پر کسی حملہ کے ایراد کی خبر سنکر اہلسنت مین جوش پیدا نہیں ہوسکتا کاش اوسے یہ معلوم ہوتا کہ عام صحابہ اور خصوصاً خلفائے راشدین کی نسبت جناب عباسؓ مین دو حیثیتین موجود تھین۔ ایک تو انکا صحابی ہونا اور دوسرے عم رسول کے شرف سے انکا معزز ومتاز پایا جانا چنانچہ اس مطلب پر شاہد عدل اسی اشتہار مین مراد آباد کے علمائے سُنیہ کا جو فتوی نقل کیا گیا ہے اس کے یہ الفاظ مین

اس حدیث مبارکہ کے موافق مسلمان کو گالی دینا اور اہانت کرنا فسق ہے تو صحابیؓ
پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا کی شان مین ایسے گستاخانہ الفاظ کہنا بدرجہ
اولیٰ فسق ہے ؎

مشہر کا یہ عاملانہ رویّہ جہان اس خیال کو تقویت دیتا ہے کہ مذہب اہلسنت سے اس کو
فی الحقیقت کوئی تعلق نہین ہے وہان اس راز سربستہ کا بھی انکشاف کرتا ہے کہ جناب عباسؓ
کی حمایت کا خیال اُسکے دل مین حاشا وکلّا اسلیئے پیدا نہین ہوا کہ آپ صحابہ رسولؐ اور عاملان
شریعت مین داخل ہین بلکہ محض اسلیئے کہ وہ آپکو کسی نہ کسی طرح اپنا جد امجد قرار دیکر لفظ
"عباسی" کا خوشنما تمغہ اپنے زیب گلو کرنا چاہتا ہے تاکہ سادہ لوح مسلمانونپر اپنا رعب بٹھائے کہ اہل
اسلام کے رائل فیملی سے اسکا تعلق ہے. ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا اسلام و ایمان جو محض آبا پرستی
سے مستفاد اور اسی پر موقوف ہو، قرآن وحدیث کی روسے ہرگز قابل اعتبار و اعتماد نہین
ہو سکتا +

یہ سفاہت آمیز ذہنیت جو شاہانہ جنون کے لوازم سے ہے اس نتیجہ سے بھی خبر دیتی ہے کہ
اگر سوء اتفاق سے نسب نامہ عباسیہ کے مصنف کے ساتھ باقاعدہ علمی جنگ پر آمادگی کے
لئے اس کی شومیِ قسمت نے کہین دہکا دیدیا تو یہ مرد میدان ہتھیار ڈالنے کے بعد بھی
مفروضہ "رائل فیملی" سے تنزل کسی حالت مین گوارا نہ کریگا اور کچھ تعجب نہین اگر بازار عام
مین حدود ہاشمیت سے اخراج اور مصنوعی تمغہ عباسیت کی گرفتاری اور ضبطی پر عالم حرمان
یاس مین وہ اپنے نام کے ساتھ بے کھٹکے اپنی مونچھون کو تاؤ دیتے ہوئے "عباسی" کی جگہ "لہبی"
کے اضافہ سے اپنے فطری شوق کو پورا کرے کیونکہ اس صورت مین سید فیاض حسین صاحب
کی بھی مجال نہو گی کہ بنی ہاشم سے کسی طرح اُسکو خارج کر سکین در آنحالیکہ "ابولہب"

کا عم رسول نہ ہونا وہ "سیرۃ العباس" سے بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

بہر کیف حضرت عثمان رضؓ کے متعلق کسی ایرادکیطرف برادران اہل سنت کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرنیکی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اس کے گمان میں جناب عباس کی شخصیت اہل سنت کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی ورنہ اُنکو مشتعل کرنیکے لئے صرف جناب عباسؓ ہی کا تذکرہ کافی ہوتا۔

اب قابل ملاحظہ یہ امر ہے کہ آیا فی الواقع نسب نامہ عباسیہ کے کسی لفظ سے حضرت عثمان کے نسب پر کسی قدح کا ثبوت ہوتا بھی ہے یا نہیں جسکو یہ ناعاقبت اندیش "کمینہ حملہ" سے تعبیر کرتا ہے نسب نامہ عباسیہ کے جس صفحہ اور جس سطر کا حوالہ دیا گیا ہے اوسمیں کہیں حضرت عثمان کا نام نہیں ملتا البتہ اُمیہ کی بابت صرف اسقدر ضرور لکھا ہے کہ "مصری تھے عبد الشمس کے متبنی تھے" ان الفاظ سے مشتہر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ "حضرت عثمان کے دادا کو معاذ اللہ غلام زادہ بتایا ہے" اور یہ کہ کسی شخص کو غلام زادہ بتانا اُس کے نزدیک اُس پر کمینہ حملہ ہے جس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ غلام اور غلام زادہ ہونے کی صفت ایک ایسی صفت ہے جو ایک انسان کو شرافت اور بزرگی سے خارج کرکے کمینہ بنا دیتی ہے اور اسلیئے کسی صحابی کی طرف "غلام" اور "غلام زادہ" کی صفت کا اتصاف گویا اس صحابی پر سب وشتم کرنا ہے جس پر وہ معاذ اللہ کہہ کر خدا سے پناہ مانگتا ہے۔

آیا غلام زادہ اور کمینہ مترادف الفاظ ہیں

قبل اس سے کہ اس امر کی تنقید کیجائے کہ بنی اُمیہ کے متعلق نسب نامہ عباسیہ کے مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ انکا اختراعی مضمون ہے یا علماء ومحققین اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ قابل غور یہ امر ہے کہ عباسیت کے وکیل کا یہ اجتہاد کہ غلام زادہ اور کمینہ مترادف الفاظ ہیں آیا اسلام کی رو سے

کہانتک قابل قبول ہو سکتا ہے؟

دلیل عقلی و نقلی دونو اسبات پر متفق ہیں کہ غلام یا لونڈی کی صفت سے کسی مرد یا عورت کا متصف ہونا درحقیقت محض اعتباری ہے۔ فی نفس الامر کسی انسان کی ماہیت میں اِن صفاتِ عارضیہ کو کسی طرح کی مدخلیت نہیں ہے گردشِ ایام اور زمانہ کے انقلاب سے بڑے بڑے شرفا اور امرا۔ پر ایسے حوادثِ روزگار واقع ہوتے رہتے ہیں کہ وہ سلاطین جور کے محبس خانوں میں مقید ہو جاتے اور بسا اوقات اُن کو غلام بنا لیا جاتا ہے لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ قیدی اور غلام ہونا ایک عارضی اور اتفاقی صورت ہوتی ہے جسکا ماہیت ذات پر مؤثر ہونا بداہتاً غلط اور باطل ہے آج اگر عباسی صاحب خدانخواستہ کسی ظالم کے پنجہ میں گرفتار یا آفاتِ ارضی و سماوی کا شکار ہو کر غلام بنا لیے جائیں تو کیا ایسے مصائب کے ایقاع و احداث سے اُن کی وہ شرافت و نجابتِ خاندانی جس کے وہ مُدعی ہیں معاً زائل ہو کر بقاعدہ تناسخ رذالت و دناءت سے بدل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ انقلابِ زمانہ سے کوئی صورتِ حدوث کیوں نہ واقع ہو اُن کی جو واقعی اصالت و فطرت ہے وہ بدستور باقی رہے گی اُس میں سرِ مُو فرق نہیں ہو سکتا۔

اسلام مین کنیز زادہ اور غلام کا احترام

جناب رسالتمآب صلعم کے حرم محترم میں حضرت ماریہ قبطیہ کنیز مشہور ہیں جن کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اُن کی بابت ابن عساکر نے جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ:۔

لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً | یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے

اس سے معلوم ہوا کہ باوجودیکہ ابراہیم ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے مگر عند اللہ وہ اس درجہ مکرم و محترم تھے کہ اگر زندہ رہتے تو حدیث شریف مقبولۂ اہل سنت

کے مطابق نبوت کا درجہ انہیں ملتا نتیجہ یہ نکلا کہ لونڈی زادہ ہونا فی نفسہ کوئی عیب اور منقصت نہیں ہے۔ اگر عیب ہوتا تو نبوت کا جلیل الشان منصب علیا اس کے لئے تجویز نہ کیا جاتا ؛

اسی طرح غلام اور غلام زادہ کی حالت ہے کہ عام لوگوں کا تو کیا ذکر خود صحابہ کرام کے گروہ مین متعدد ایسے حضرات پائے جاتے ہیں جو ان صفات سے متصف ہیں اور باوجود اُنہیں اُن کی عظمت وجلالت اور رفعت ونبالت میں کسی کلام کی گنجایش نہیں بلکہ اسلام مین غلام زادہ کا تو یہ عزو وقار ہے کہ اعیان صحابہ پر اُوسکو رئیس اور شریف مقرر کیا گیا ہے ؛

ذوی الوجوہ مہاجرین والنصار پر حضرت اسامہ کی امارت

مثال کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ خود بھی غلام تھے غلام کے بیٹے تھے باانہمہ جناب رسالتمآب نے آپ کو ایک لشکر کا امیر مقرر فرمایا اور سوائے امیرالمومنین علی مرتضی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعیان مہاجرین والنصار جنمین حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی شامل ہیں ماتحت ہوکر گئے۔ یہ واقعہ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں بتفصیل لکھا ہے۔

حضرت اسامہ غلام زادہ کی ماتحتی میں حضرات شیخین کی ماموریت

علامہ ذہبی جنکو اکابر علمائے اہلسنت نے امام اہلحدیث کا لقب عطا فرمایا ہے اپنی کتاب تہذیب التہذیب مین بسلسلۂ ترجمہ حضرت اسامہ لکھتے ہیں۔

امرہ النبی علی جیش فیہ ابوبکر وعمرؓ فلم ینفذ حتیٰ مات رسول اللہ ؐ	جناب رسالتمآب صلعم نے حضرت اُسامہ کو ایک لشکر کا سردار مقرر کیا جس میں حضرات ابوبکر وعمر شامل تھے لیکن اس حکم کی تعمیل نہیں کی گئی یہانتک کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں باب مناقب زید

بن حارثہ مین حدیث امارت اسامہ کو نقل فرما کر لکھتے ہین :-

وفیہ جواز امارۃ المولی وتولیۃ الصغار علی الکبار والمفضول علی الفاضل لانہ کان فی الجیش الذی کان علیھم اسامہ ابوبکرؓ وعمرؓ	اس واقعہ سے غلام کی سرداری اور اعلیٰ منزلت کے لوگون پر ادنیٰ درجہ کے اشخاص کی اور اعلیٰ فضیلت رکھنے والوںپر کم حیثیت کے افراد کی حکومت کا جواز ثابت ہوتا ہے اسلئے کہ جس لشکر کے امیر اور سردار حضرت اُسامہ بنائے گئے تھے اُس میں حضرات ابوبکر و عمر بھی داخل تھے"!

اور علامہ قسطلانی شرح بخاری میں بہ سلسلہ شرح کلام" ان رسول اللہ بعث بعثا امّر علیھم اسامہ بن زید" فرماتے ہین :-

وفیہ وجوہ المھاجرین والانصار منھم ابوبکرؓ وعمرؓ"	اور اس لشکر مین بڑے بلند پایہ مہاجرین و انصار حتی کہ حضرات ابوبکر و عمر بھی داخل تھے"

یہ ہے اسلام میں غلام زادہ کا درجہ جسکو یہ بے تمیز اپنی جہالت و غباوت، و وقاحت سے "کمینہ" بتاتا ہے اور کسی صحابی کی طرف اس کی نسبت دیئے جانے پر تحدیع عوام کیلئے کلمہ "معاذ اللہ" اپنی زبان پر جاری کرتا ہے :-

اب مشتہر ہمکو بتلائے کہ اگر بالفرض بر بنائے واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی نے غلام زادہ لکھا بھی تو کیا غضب ہو گیا؟ اے ناحق کوش انسان کیا غلام زادہ کوئی گالی ہے جسپر تو عوام کالانعام کو فساد پھیلانے پر آمادہ کرتا ہے؟ کیا سچ مچ تجھے حضرت اسامہ بن زید صحابی رضی اللہ عنہ کا غلام زادہ ہونا معلوم نہ تھا اور یہ خبر نہ تھی کہ وہ اس پایہ کے غلام زادے تھے کہ بڑے بڑے مقدس صحابہ مہاجرین و انصار کی لمبی لمبی سندین رکھنے والے صحابہ حتی کہ سریر خلافت پر متمکن ہونے والے چمکتے ہوئے ستارے بارگاہِ رسالت کے فرمان واجب الاذعان کی رُو سے

جن کی ماتحتی میں دیئے گئے تھے۔ پھر کیا یہ ممکن تھا کہ بغیر کسی ایسے اعلیٰ فضل وشرف کے جو مامورین کی جماعت میں مفقود ہو بلا وجہ اُن سب پر سردار بنا دیئے جاتے؟ کس قدر احمقانہ خیال ہوگا کہ ترجیح بلا مرجح جو ایک معمولی عقل وحکمت والے شخص کے نزدیک بھی کسی طرح جائز نہیں وہ اوس سردار دو عالم پر جائز کیجائے جو یعلمھم الکتاب والحکمہ کے بموجب دُنیا کو کتاب وحکمت کا درس دینے کے لئے بھیجا گیا ہو۔!!!

اے دشمن اسلام! کیا تو شریف ور ذیل کا فرق پیغمبرؐ اسلام سے بھی زیادہ بہتر جاننے والا ہے کہ صاحب الوحیؐ جسکو معزز ومکرم سمجھیں، تو اُسے بے محابا کمینہ قرار دیتا ہے اور تیری زبان کو لگام نہیں۔

مذہب اہل سنت میں حرام زادہ کی عزت

قابل غور ہے کہ غلام زادہ تو پھر بھی ایک صفت اعتباری ہے جس سے کسی شخص کی حقیقت ذات پر کوئی عیب نہیں لگایا جا سکتا، احادیث اہل سنت سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص فی الواقع ولد الزنا یا حرام زادہ ہو وہ بھی شرع شریف کی رو سے کسی توہین وتذلیل کا مستحق اور کسی طعن وملام کا مورد نہیں ہو سکتا۔

مستدرک میں حاکم نے ....

عن عایشہ قالت قال رسول اللہ صلعم لیس علی ولد الزنا من وزر ابویہ شی لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ هذا حدیث صحیح الاسناد"	حضرت عایشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ولد الزنا شخص پر اوسکے ماں باپ کے کرتوت کا کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ اللہ صاحب فرماتے ہین کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔

اور کنز العمال مین ....

عن میمون بن مہران انہ شہد ابن عمر صلے علی ولد الزناء فقیل لہ ان اباھریرۃ لم یصل علیہ وقال ابو ھریرۃ شر الثلاثہ فقال ھو خیر الثلاثہ	میمون بن مہران سے روایت ہے وہ کہتے ہین کہ مین نے حضرت ابن عمر کو حرام زادہ کے جنازے کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ لوگون نے کہا کہ ابو ہریرہ نے تو کبھی حرام زادہ کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی اور اوسکو شر الثلثہ بتاتے ہین۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا نہیں بلکہ وہ خیر الثلثہ ہے"

اس کے علاوہ علمائے محققین اہلسنت کے نزدیک "عدم طیب و لادت" شرافت و نجابت کے اصلا منافی نہیں ہے بلکہ ان حضرات قدس اللہ اسرارہم کی تصریحات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد زنا درحقیقت انجب نجبا اور اشرف شرفا کہلانے کی مستحق ہے۔ حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب محاضرات میں فرماتے ہین :۔

قال قدامہ اولاد الزناء انجب لان الرجل یزنی بشھوۃ ونشاط فیخرج الولد کاملا و ما یکون عن حلال فعن تصنع الرجل الی المراۃ"	حضرت قدامہ قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اولاد زنا سب سے زیادہ شریف اور بزرگ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو پوری شہوت نفسانی اور جوش مستی میں عورت کی طرف رغبت کرتا ہے جسکی وجہ سے اس کے بطن سے ہر طرح کامل اور مکمل انسان پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات فعل حلال میں نہیں ہوتی کیونکہ وہان مرد کو عورت کی طرف

میلان محض تصنع اور تکلف کی راہ سے کرنا پڑتا ہے"۔

شرافت کا معیار قرانی

اصل یہ ہے کہ مذہب اسلام نے جس چیز کو شرافت و عزت کا اصلی معیار بتایا ہے وہ انسان کی ذاتی اور وجودی خوبیاں ہیں اور اوس کے اعمال حسنہ و اخلاق فاضلہ جو محض تقوی اور ایمان داری اور صداقت و عدالت سے حاصل ہوتے ہین یہی وجہ ہے کہ خدا فرماتا ہے :۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ — حقیقی عزت اللہ کی ہے اور اُس کے رسول کی اور مومنین کی

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ — خدا کے نزدیک صاحب عزت وہی شخص ہے جو پرہیزگار ہو

معیار مذکور سے مصنف تاریخ امروہہ کی روگردانی۔

تاریخ امروہہ کا مصنف اس حقیقت سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے اس امر واقعہ کا اُس موقع پر اعتراف کیا تھا جہان اُس کے پیش نظر یہ امر تھا کہ ذریۂ رسولؐ کے قدرتی فضائل و فواضل کو عامۃ الناس کی نگاہ میں ناقابل لحاظ اور بے حقیقت ٹھیرایا جائے تاکہ عترت طاہرہ کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہے ۔لیکن جب اُسے ضرورت پیش آئی کہ اُن نفوس قدسیہ کے فضائل و کمالات کا بٹوارہ آنحضرت صلعم کے تمام دور و نزدیک کے رشتہ دارون پر مساوی حیثیت سے کردیا جائے تاکہ بنی عباسؓ بھی بحصہ رسدی اوس سے بہرہ یاب ہون، اور نیز جبکہ اُسکی انانیت اور تعصب و عناد اورحسد و لداد کے شعلون نے اُس کی بصارت کو بکلی زائل کردیا اور اُس نے امروہہ کے تمام معزز قبائل شیوخ و سادات اور جمعیۃ القریش و جمعیۃ الانصار کی تمام شریف اور قابل فخر ہستیوں کی تحقیر و تذلیل کا بیڑا اوٹھایا تو یہ قرانی معیار عزت و شرافت جو "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" کے الفاظ میں نمایان تھا، طاق نسیان پر پہونچاکر "ڈیڈ لیٹر" کی طرح بیکار کردیا گیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

امیہ کی غلامی اب ہمکو صرف یہ دیکھنا باقی ہے کہ بنی امیہ کے متعلق جو خیالات نسب نامہ عباسیہ کی عبارت سے مستنبط کئے جا سکتے ہین آیا انکا ماخذ کتب اہل سنت ہین یا مصنف رسالہ کا طبعزاد مضمون ہے جیسا کہ مشتہر نے سمجھا ہے یا سمجھنے کا بہانہ کیا ہے۔

رسالہ "تنزیہ الانساب" جس کے مصنف مولوی محمد ماہ عالم صاحب مصطفوی چشتی ہیں اور جو شیعون کے رد میں لکھا گیا ہے، اس کے دوسرے حصہ کے باب چہارم میں حضرت ابو سفیان کے نسب پر مصنف نے بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"پس مشہور یہ ہے کہ عبد شمس کا کوئی فرزند امیہ نامی نہ تھا ہاں ذکوان غلام عبد شمس تھا جسکو امیہ بھی کہتے تھے۔ چنانچہ اصابہ ابن حجر عسقلانی جلد اول صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ ترجمہ ثوب میں ہے کہ جب حضرت ثوب دربار معاویہ میں پہونچے تو انہون نے اثنار کلام میں معاویہ سے کہا کہ تم لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہو کہ امیہ عبد شمس کا بیٹا تھا بلکہ حقیقت میں ذکوان غلام عبد شمس" تھا جسکو حقیر سمجھکر لوگ امیہ کہتے تھے انتہیٰ محصلا (الی ان قال)

اور روض الانف سہیلی" میں حضرت دغفل صحابی کبیر السن کا قصہ بھی اسی معنی میں ہے کہ معاویہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے حضرت عبد المطلب کو بھی دیکھا تھا؟ کہا ہان دیکھا تھا وہ شیخ جسیم وسیم تھے کہ دس بیٹے انکو ستارون کے مانند گھیرے رہتے تھے۔ پھر معاویہ نے پوچھا کہ آپ نے امیہ کو بھی دیکھا تھا۔ حضرت دغفل نے فرمایا ہان دیکھا تھا وہ چند با کر نحا بد شکل عبد شمس کا غلام تھا۔ معاویہ نے کہا کہ وہ عبد شمس کا بیٹا تھا حضرت دغفل نے فرمایا کہ ہان تم لوگ ایسا ہی کہتے ہو

لیکن حقیقت میں وہ ذکوان غلام عبد شمس تھا اور اُسی کو امیّہ کہتے ہتے۔ انتہیٰ مختصلاً"

اب تو غالباً اشتہار نویس کی عقل ٹھکانے ہوجائے گی اور عجب نہیں کہ لعنت کا چپت خود اپنے ہاتھ سے اپنے منہ پر لگائے کہ جس بات کا الزام اُس نے نسب نامہ عباسیہ کے مصنف کے سر تھوپنا چاہا تھا اُس کے اصلی ملزم خود حضرات علمائے اہلسنت ہی نکل آئے۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ جسطرح بے خوف وخطر اُوسنے نسب نامہ عباسیہ کے مصنف کی بابت یہ لکھہ مارا تھا کہ "حضرت عثمانؓ کے نسب پر کمینہ حملہ کیا ہے اور انکے دادا کو معاذاللہ غلام زادہ بتایا ہے" اب جبکہ اس قول کے اصلی قائل خود علمائے اہلسنت ہی ثابت ہوئے اور مصنف کی حیثیت محض ایک ناقل کی معلوم ہوئی تو آیا عباسی غیرت وشجاعت پر ناز کرنے والا ق گوئی اور واقعہ نگاری میں بلاخوف لومۃ لائم کمال حرّیت وآزادی رائے کا مدّعی یہ جرأت کرسکتا ہے کہ اپنے اس بیہودہ فقرے کو اپنے اکابر علماء اور اماثل فضلا کی طرف منتقل کرے اور کھلم کھلا یہ شتہر کردے کہ "علامہ ابن حجر عسقلانی جیسے امیر المومنین فی الحدیث اور اُن کے امثال نے حضرت عثمان کے دادا کو غلام زادہ بتا کر اونکے نسب پر کمینہ حملہ کیا ہے" اگر اس مضمون کی تحریر اس کی طرف سے شائع نہ ہوئی اور اس موقع پر سکوت وصموت اس کی جانب سے ظہور میں آیا تو عوام کی سمجھہ میں بھی بخوبی آجائے گا کہ حقیقت میں یہ شخص خود اول درجہ کا افترا پرداز ہے لیکن "المرئیقیس علی نفسہٖ" کی بنا پر محض ناواقفوں کو فریب دینے کے لئے شیعوں کے تقیہ کرنے پر ناجائز اعتراض کرتا ہے۔

اشتہار نویس کا علمائے اہلسنت سے جھوٹا استفتا

افسوس ہے کہ یہ متجاہل اپنے لاف وگزاف کا خاتمہ اسی دروغ بیانی پر نہیں کرتا بلکہ آگے چلکر ناصبیت وعداوت آلِ محمد سے معمور اور نشۂ عباسیت سے مخمور اشتہار کا لکھنے والا اپنے قائد اعظم کی سنتِ دیرینہ

كُنْتُ ذَوَّرْتُ فِى نَفْسِى مَقَالَةً کا جامِ تزویر پی کر ایک نہایت متعفن اور بدبودار مادہ اپنے مُنہ کے راستے سے خارج کرتا ہے۔ یعنی وہ حضرات علمائے اہلسنت کی خدمات عالیہ میں کذب و افترا سے لبریز ایک استفتا بھیجتا ہے جس کے الفاظ یہ ہین:۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مین کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عباسؓ عم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ عبدالمطلب کے فرزند تھے اور نہ رسول اللہ کے چچا بلکہ معاذاللہ باندی بچے اور ولدالزنا اور انکی اولاد ان سے بھی بدتر تھی اور ہے۔ ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے بیّنوا توجروا۔"

اشتہار نویس کا لعنتی جھوٹ	نسب نامہ عباسیہ چھپا ہوا موجود ہے ہر شخص اُسکو ملاحظہ کرکے مستفتی کے جھوٹ سچ کو بآسانی معلوم کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے خود محمود احمد

کے مسلمات اور حوالجات سے وہ مقامات پیش کئے ہیں جن سے لامحالہ ہر ذی تمیز کو کشاں کشاں اس نتیجہ پر پہونچنا پڑتا ہے کہ جناب عباس کسی طرح حضرت عبدالمطلب کے صلبی فرزند نہیں ہو سکتے اس کے سوا رسالہ بھر میں کوئی لفظ یا کوئی حرف ایسا نہیں پایا جاتا جس سے تصریحاً یا تلمیحاً کوئی ایسا اشارہ یا کنایہ بھی مستنبط ہو سکے کہ معاذاللہ خاک بدہانِ قائل وہ جناب ولدالزنا تھے اور نہ کسی مقام پر آپ کو باندی بچہ لکھا ہے حالانکہ مجرد باندی بچہ ہونا اگر کسی تحقیقات کی رو سے ثابت ہو بھی جائے تاہم یہ امر نہ تو حضرت عبدالمطلب کی اولاد سے آپ کو خارج کر سکتا ہے اور نہ آپ کے جلائل فضائل میں کسی قدح یا تنقیص شان کا سبب بن سکتا ہے جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا کہ حضرت ابراہیم فرزند رسول اللہ صلعم جو ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے وہ ایسی منقبت عظیمہ اور جلالت شان کے مالک تھے کہ جناب رسول مقبول صلعم کے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو آپ ہی اس منصب جلیلہ پر فائز ہوتے۔ پھر محض باندی بچہ ہونا جناب عباسؓ

کے لئے (اگر وہ ثابت ہو) کسطرح موجب طعن ہو سکتا ہے جس پر معاذ اللہ کہکر باوجود ادعائے اسلام یہ دشمن دین گویا جناب ابراہیمؑ بلکہ خود جناب سرور کائناتؐ اور کل بنی ہاشم کا مضحکہ اوڑاتا ہے کیونکہ تاریخ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی کہ نسل ابراہیمی سے اسمعیلی سلسلہ جس برگزیدہ اور پاک ذات عورت کے بطن سے عالم وجود مین آیا اور جو تمام بنی ہاشم کی جدہ ماجدہ ہیں وہ جناب ہاجرہ سلام اللہ علیہا ہین جنکو نیرنگیِ زمانہ سے لونڈی اور باندی کے نام سے پکارا گیا ہے:۔

اشتہار نویس کی افترا پروازی کی اصلی وجہ

اصل یہ ہے کہ اشتہار نویس کی جانب سے یہ دہوکا اور فریب حضرات علمائے اہل سنت کو محض اسلئے دیا گیا ہے کہ امروہہ کے شیعہ مذہب والون کے خلاف مسلمانونمین عام نفرت کے جذبات پہیلائے جائین اسلئے کہ محمود احمد کی ہمدردی کرنیوالون کا دائرہ وسیع ہو جائے اور بس۔ جب اُسنے دیکھا کہ ایک نا قد بصیر کو خود اُسی کی مایہ ناز کتابون تاریخ امروہہ اور سیرۃ العباس وغیرہ سے بغیر کسی زحمت کاوش کے چند ایسے زلزلہ افگن اور قیامت خیز مقامات قابل گرفت مل گئے جن کی مدد سے عباسی منزل ایک آنِ واحد میں ڈائنامیٹ کی طرح اوڑا دیگئی اور دنیائے عباسیت کا تمام شیرازہ درہم وبرہم ہو کر یہ لاکہہ کا گہر سب خاک ہو گیا اور لطف یہ کہ یہ سب کچھ ہوا اپنے ہی ہاتہوں تو اس کے ہوش وحواس بالکل جاتے رہے آنکہونمین سرسون پھول گئی آخر عالم یاس واضطراب اور وحشت وجنون میں اُسنے افترا پردازی اور دجل وفریب کی ٹہان لی اور دیوانہ وار اس جد وجہد میں پہلا قدم جو اوٹہا تو اس تدبیر کے ساتہ کہ کذب وافترا کی غلاظت سے مشام خلایق کو اذیت پہونچائی جائے جسکا نمونہ اشتہار زیر بحث اور خصوصًا مذکور بالا استفتے کی شکل میں ناظرین کے پیش نظر ہے +

فلعنتہ اللہ علی الکاذبین من یومنا ھذا الی یوم الدین

اشتہار نویس کی دیانت وصداقت وشرافت ونجابت کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوگا کہ جب خاص اپنے مذہب کے نیک نفس اور واجب التعظیم علماء کی خدمات عالیہ میں اپنے دل سے گھڑ کر جھوٹے استفتے بھیجنے کی گستاخانہ جسارت میں اُسے مطلق باک نہین تو اس نسبت سے عام لوگون کے ساتھ جسقدر بھی شایستہ اخلاق وافعال اس کے وجود سے ظاہر ہون اُن کا کون اندازہ کر سکتا ہے ع: ہو قیاس کن زگلستان من بہار مرا

درحقیقت اس شخص نے شیعون پر بڑا ظلم وستم کیا جبکہ اُسنے ایک ایسا سخت کلمہ شنیعہ جس کے سننے کی وہ کسی طرح تاب نہیں لا سکتے جناب عباس رضی اللہ عنہ کی شان والاشان میں لکھکر شیعون کی طرف اس کے اعتقاد کی نسبت دی لیکن یہ ایک ایسا دام فریب ہے جس میں کوئی سمجھ دار شخص مبتلا نہیں ہو سکتا۔

شیعون کے نزدیک حضرت عباسؓ اور آپکے فرزند شیعہ تھے

دنیا کو معلوم ہے کہ شیعون کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب عباسؓ رضی اللہ عنہ شیعہ تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی مذہب تھا حضرت فضل بن عباسؓ بھی خلافت ونیابت پیغمبؐر کا حقدار سقیفہ کے ارباب لبست وکشاد کو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اُن سے نہایت بیزار تھے۔ ایسی حالت میں کون احمق ہوگا جو اس امر محال کو اپنے دلمین جگہ دیگے کہ کوئی شیعہ امامیہ جن بزرگون کو اپنا ہم عقیدہ اور ہم مذہب یقین کرتا ہو اُن کی شان میں کسی معمولی اسارتِ ادب کا بھی ارتکاب کر سکے چہ جائیکہ سب وشتم کی طرف مائل ہو۔ اے ناحق کوش کسقدر خلاف عقل بات تو عوام کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے جو کسی طرح سرسبز نہیں ہو سکتی+

حضرت عباسؓ کے شیعہ ہونیکے بعض دلائل

کیا جناب عباسؓ وہ بزرگ نہیں ہین جو خود تمہاری مسلمہ صحیح ترین روایات کے بموجب تمام افراد بنی ہاشم کے ساتھ سقیفہ

والون سے کلی مقاطعہ کر کے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت باسعادت میں حاضر رہے اور خود تمہارے اعتراف کے مطابق کم از کم چھ مہینہ کی مدت تک انہون نے خلافت عتیقی کی طرف مطلق التفات نہ فرمایا۔ اگر وہ اس کارروائی کو "جو دربک یخلق مایشاء و یختار ماکان لھم الخیرہ" کی صریح مخالفت میں باختیار ناس قائم کیگئی تھی حق سمجھتے تو کیا ممکن تھا کہ "خلافت کے کلی و جزوی امور سے باخبر رہتے ہوئے" ایک بہت فہیم اور صاحب رائے صائب" شخص ہونیکے باوجود جیسا کہ محمود احمد کی مایۂ ناز کتاب سیرۃ العباس کے صفحہ ۱۳۰ پر باور کرایا گیا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی خلافتِ عتیقی سے سرتابی کر کے متفق علیہ حدیث "من لم یعرف امام زمانہ مات میتہ جاھلیۃ" کا مصداق بنتے چہ جائیکہ چھ مہینہ تک گمراہی کی زندگی کو اختیار فرماتے ؛

حضرت علیؑ کے وصی رسولؐ ہونے پر بنی ہاشم کا حدیث غدیر سے استدلال ؛

سیرۃ العباسؓ کا مصنف حصۂ اول کے صفحہ ۱۲۲ پر بنی ہاشم کا مذہب حتماً و جزماً یہ بتاتا ہے کہ :-

"بنی ہاشم یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضور نے حضرت علی کو "وصی" قرار دیا تھا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ حدیث پیش کرتے ہین۔"

عقیدۂ مذکور شیعون کا عقیدہ ہے نہ سنیون کا

عقیدہ مذکور جو درحقیقت ہادمِ بنیانِ مذہب اہلسنت ہے کسی طرح سُنی عقیدہ نہیں ہوسکتا بلکہ ہر واقف کار جانتا ہے کہ بعینہ یہی مذہب شیعون کا ہے جسکو بنی ہاشم ثابت کرتے ہیں۔ لہذا یہ امر بالکل صاف و صریح ہے کہ حضرت عباسؓ اگر درحقیقت بنی ہاشم تھے۔ تو ان کا مذہب شیعہ تھا نہ سُنی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عباسیت مآب کی تسلی کے لئے اس مسئلہ کی کسی قدر مزید توضیح

کردی جائے ؛

سیرۃ العباس کی ایک اور عبارت جس سے حضرت عباسؓ کا شیعہ ہونا بداہتاً ثابت ہے

سیرۃ العباس کا مصنف جناب عباسؓ کے خیالات و عقائد متعلقہ مسئلہ خلافت و نیابت پیغمبرؐ کی قدرتی اور اصلی تصویر کو ذیل کے الفاظ میں پیش کرتا ہے :۔

"حضرت عمرؓ نے آخر وقت میں چھ آدمیوں کو منتخب فرمایا مگر حضرت عباسؓ باوجودیکہ اُنکا فضل و اجلال تمام صحابہ پر روشن تھا اُنکو اس انتخاب سے علیحدہ رکھا گیا تھا حالانکہ اور تمام امور میں اُنسے مشورہ کیا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباسؓ کا دلی منشایہ تھا کہ حضرت علی مرتضی خلیفہ ہوں اسی وجہ سے حضرت عباسؓ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم ان لوگوں سے علیحدہ رہو اور جناب ولایتمآب نے فرمایا کہ میں اختلاف کو پسند نہیں کرتا حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ تم اگر اختلاف کو پسند نہیں کرتے تو وہ دیکھو گے جسکو تم بالطبع مکروہ سمجھتے ہو بغرض حضرت عبدالرحمن بن عوف اس کام کے مہتمم ٹھہرے اسی وقت حضرت علی نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ پھر خلافت ہم سے لی گئی حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ تم نے کیسے جانا۔ حضرت علی نے کہا کہ میرے نام کے ساتھ حضرت عثمان کا نام لیا گیا ہے اور حضرت عمر نے یہ حکم دیا ہے کہ اکثر کا ساتھ دینا۔ پس اگر دو آدمی ایک شخص پر اتفاق کریں اور دو ایک پر تو عبدالرحمن بن عوف ایکطرف ہو جائیں پس سعد بن ابی وقاص عبدالرحمن کے چچیرے بھائی ہیں ایسی حالت میں حضرت عثمان کی طرف خواہ مخواہ آدمی زیادہ ہو جائیں گے۔ پس حضرت عباسؓ نے ارشاد فرمایا کہ بھتیجے جب میں نے تم سے اسی بارے میں کہا تم نے انکار کیا۔ آنحضرت کی وفات کے وقت میں نے تم سے کہا کہ اس بارے میں جلدی کرو اور آنحضرت سے دریافت

کرلوتم نے انکار کیا جب حضرت عمر نے شورے پر یہ معاملہ چھوڑا مین نے تم سے کہا
کہ تم علیحدہ رہو تم نے انکار کیا۔ اب مین تم سے کہتا ہون کہ ایک بات کا لحاظ رکھو
کہ جب وہ لوگ کسی کو خلیفہ بنانا چاہین تم ہرگز نہ مانو یہانتک کہ تم کو اس کے لئے
منتخب کرین اور دوسرے شخص کو اگر پھر منصب ملا تو یاد رکھو ہم کو کچھ نفع حاصل نہیں
ہوسکتا غرض یہ ہے کہ شوری ہوا اور حضرت عثمان غنی کی خلافت پر سب مسلمانون نے
بیعت کرلی اور بنی ہاشم کے دلمین یہ آرزو باقی رہی جسطرح خدا نے حضرت عباسؓ کو
ظاہری و باطنی وجاہت سے سرفراز فرمایا تھا اسی طرح انکی رائے بھی نہایت صائب
ہوتی تھی (سیرۃ العباس صفحات ۱۳۰ و ۱۳۱)

محمود احمد و فرید احمد کے مسلمہ واقعات تاریخی مندرجہ بالا سے حسب ذیل نتائج صریحاً متحقق ہوتے ہیں جن سے کم از کم ہر دو اشخاص مذکورین کو تو کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا بشرطیکہ ان کی شرافت ونجابت وسعید الفطرتی محض ادعائے لسانی تک محدود نہو۔:

عبارت مذکور کا پہلا نتیجہ اوّلاً یہ کہ خلافت کی انتخابیہ کمیٹی میں حضرت عمرؓ جیسے دقیقہ رس اور نکتہ شناس بزرگ کا بالقصد حضرت عباسؓ کو شریک نہ کرنا باوجودیکہ اور تمام امور مین اُنسے مشورہ لیا جاتا تھا اور انکے جلائل فضائل بھی تمام صحابہ پر روشن تھے بداہتاً اس امر کا مظہر ہے کہ درحقیقت وہ حضرت عباسؓ کو سنی نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ محمود احمد اپنے والد ماجد کی تقلید میں اُنہیں سمجھے ہوئے ہین۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو جناب عباس کی طرف سے قوی اندیشہ تھا کہ جو رائے انکی طرف سے پیش ہوگی وہ یقیناً مذہب اہل سنت کے مفاد کے مخالف اور مضر ہوگی۔:

عبارت مذکور کا دوسرا نتیجہ ثانیاً یہ کہ اس مقدس پنچایت مین حضرت فاروق اعظمؓ

کا جناب عباسؓ کو محض اس لئے شریک نہ کرنا کہ آپ کو اپنی خداداد فہم و فراست سے
جناب عباسؓ کا یہ دلی منشا منکشف تھا کہ حضرت علی مرتضیٰؑ خلیفہ مقرر کئے جائیں، قدرتی طور
پر لامحالہ اس حقیقت کو ہر ذوی تمیز کے ذہن نشین کرتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم کا یہ دلی
منشا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ ہرگز ہرگز خلیفہ مقرر نہ کئے جائیں اور ایسا شخص مقرر کیا جائے
جو آپ کا غیر ہو۔ آپ کی کدوکاوش اس بارے میں اس حد تک تھی کہ ایک ایسی مہتم بالشان
مذہبی مجلس شوری میں جو درحقیقت حدیث" من لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ"
کے ماتحت مسلمانوں کی روحانی موت وحیات کا فیصلہ کرنیکے لئے بنائی گئی تھی، عم رسولؐ
جیسے صائب الرائے اور واجب الاحترام شخص کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں دی
گئی محض اسلئے کہ وہ علی مرتضیٰؑ سے حُسن اعتقاد رکھتا ہے اور وہی لوگ سلیکٹ کمیٹی کے
ممبر اور پریسیڈنٹ بنائے گئے جن کے دلوں میں علیؑ کی طرف سے معمولی حسن ظن کی بھی گنجائش
نہ تھی اور جن کی میجارٹی سے علیؑ کی شکست متحتم اور لابدی تھی۔ کیا دنیاوی حثیت سے
اس کی مثال رونڈ ٹیبل کانفرنس کا واقعہ نہیں ہے کہ ہوشیار اور بیدار مغز گورنمنٹ نے
کانفرنس میں شرکت کے لئے اُن رہنمایانِ قوم کو مدعو نہیں کیا جن کی شرکت سے برطانیہ
کے مفاد کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ تھا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ
کے مذہبی جذبات اور خیالات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ
پادشاہ دین و دنیا اور ہادیِ خلق کی جلیل الشان نیابت و خلافت کے مستحق من عند اللہ
علی مرتضیٰؑ ہیں اور وہی من عند الناس بھی منتخب ہونا چاہئیں، انہیں یہ کد تھی کہ علیؑ کسی
طرح اسلام کے بادشاہ اور خلیفہ نہ ہونے پائیں بلکہ خلافت وسلطنت ایسے لوگوں کے
ہاتھوں میں جائے جو ذریت رسولؐ کا پورے طور پر قلع قمع کر سکیں جیسا کہ اُن

عاملانہ تدابیر سے جو اس سلسلہ میں عمل میں لائی گئیں ماہرینِ فنِ سیاست بخوبی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

حضرت فاروقؓ یقینی طور پر جناب عباسؓ کو اپنا مخالف سمجھتے تھے

اس واقعہ سے بالبداہت ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم یقینی طور پر جناب عباسؓ کو اپنا مخالف سمجھتے تھے اور اگر اس عملی کارروائی کے ساتھ حضرت فاروقؓ اعظم کی اُس قولی شہادت کو بھی شامل کر لیا جائے جو خاص طور پر جناب عباسؓ اور حضرت علی مرتضیٰؑ سے بالمواجہہ خطاب فرما کر آپ نے وثوق کے ساتھ ظاہر فرمائی ہے اور جس کے یہ الفاظ آج تک صحیح مسلم کی دوسری جلد میں محفوظ پائے جاتے ہیں:۔

فَرَاَیتُمَاہُ کاذِباً غادِراً خائناً اٰثماً۔ (الحدیث)

تم دونوں شخصوں نے جیسا کہ صدیق اکبر کو کاذب غادر خائن آثم سمجھا تھا، مجھے بھی انہیں صفات سے متصف سمجھتے ہو۔

تو یہ حقیقت بالکل مستحکم اور ناقابل انکار ہو جاتی ہے اور ایک بے تعصب محقق کو اپنی صحت وصداقت کے بارے میں علم الیقین کے درجہ سے ترقی کر کے عین الیقین کے مرتبہ تک پہونچا دیتی ہے۔

خلافت عتیقی سے بنی ہاشم اور حضرت عباسؓ کی بیعتِ واقعی کا فسانہ بالکل خلاف عقل ہے

یہاں سے اُس ملمع کاری کی قلعی صاف کھل جاتی ہے جو تخدیع عوام کے لئے کہا جاتا ہے کہ چھ مہنیہ کے بعد تمام بنی ہاشم نے خلافت عتیقی کی برضا ورغبت بیعت کر لی تھی حالانکہ اگر بیعت برضا ورغبت ہوتی اور سچ مچ پنچایتی خلفا کو بنی ہاشم اپنا روحانی مقتدا اور رسولؐ کریم کا سچا جانشین مان لیتے اور اگر حضرت عباسؓ جناب فاروقؓ اعظم کو حق پر سمجھتے اور اگر انہیں اہل سنت کی حدیث "الحق ینطق علی لسان عمرؓ" کی

صحت کا معمولی وہم و گمان بھی ہوتا تو ناممکن تھا کہ آپ کی رائے اور مرضی کے خلاف وہ کسی خواہش کو اپنے دلمیں جگہ دیتے اور محال تھا کہ حضرت عباسؓ جیسے دنیدار اور مقدس بزرگ کیطرف سے حضرت عمرؓ کو مخالفت کا کھٹکا ہوتا ؁

حضرت عباسؓ کا در باطن اس مخالفت پر مدۃ العمر مستمر رہنا اسبات کی زبردست دلیل ہے کہ محض جدال و قتال اور فتنہ و فساد اور خونریزی کے خوف سے جس سے دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں نخلِ اسلام کا بکلی استیصال یقینی الوقوع تھا ان حضراتؓ کی سلطنت کے خلاف "ایجی ٹیشن" پھیلانا اور تلوار اوٹھانا مناسب نہیں سمجھا اور ظاہر ہے کہ ایسے حکیمانہ اور عاقبت اندیشانہ طریق عمل کو کوئی صحیح الحواس بیعتِ واقعی او رحقیقی کا مترادف قرار نہیں دے سکتا ؁

عبارت مذکور کا تیسرا نتیجہ ثالثاً یہ کہ حضرت عباسؓ کا جناب ولایتمآبؑ سے بکرات و مرات یہ کہنا کہ تم ان لوگوں سے علیحدہ رہو صراحتاً اس امر کا کاشف ہے کہ جناب عباسؓ خلفائے اہل سنت سے ظاہر میں مصلحتِ وقت میل جھول رکھتے تھے مگر باطن میں اُن سے علیحدہ تھے اگر ان کے دلمیں خلفائے عظام کی ذرہ بھر بھی محبت و وقعت ہوتی اور اگر یہ خیال جو عامۃ الناس کے دلونمیں رائج کیا گیا ہے کہ صحابہ نے جو کچھ کیا وہ رضائے الٰہی کے ماتحت کیا انکے نزدیک کچھ بھی قابل اعتنا سمجھا جاتا تو جناب ولایتمآبؑ کو صحابہ کرام سے علیحدہ رہنے کی کسی حالت میں فرمائش نہ کرتے۔ لاریب انکی یہ فرمائش "انچہ بر خود مپسندی بر دیگران ہم مپسند" کے مطابق تھی۔ تاریخ امروہہ کا مصنف باوجود ادعائے عباسیت جناب عباسؓ کو اس بارے میں متہم کرے اور مسئلہ تقیہ کو بیدینی بتاتے ہوئے اُن کے اس طریق عمل کو خود غرضی یا دنیا طلبی اور مداہنت پر محمول قرار دے لیکن شیعہ ہرگز ایسی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ واقعات جناب عباسؓ کے شیعہ ہونے پر شاہد عدل ہیں ؁

جناب عباسؓ کا تقیہ

انعقاد خلافت کے خود ساختہ اصول سے علی مرتضیٰ کی کراہیت

عبارت مذکور کا چوتھا نتیجہ

رابعاً یہ کہ حضرت عباسؓ کا جناب ولایتمآبؑ سے یہ فرمانا کہ "تم جسکو بالطبع مکروہ سمجھتے ہو وہ دیکھوگے" ہر صاحب عقل وفہم کو اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ حضرت عباسؓ کے علم ویقین کی بنا پر انتخاب خلیفۃ الرسول کے جو مختلف قواعد واصول حضرات صحابہ کی طرف سے مختلف موقعون پر باقتضاے بحث واتفاق اختیار کئے گئے تھے، وہ جناب ولایتمآبؑ کے نزدیک کتاب وسنت کے مطابق نہ تھے اور اس لئے آپ انکو بالطبع مکروہ سمجھتے تھے ورنہ یہ امر بالکل خلاف عقل ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث کی کامل معرفت رکھتا ہو اور جس کا زہد وتقوی بھی علی العموم مسلم ہو وہ کسی سچی اور قرین صواب قرار داد کو مکروہ سمجھے۔ یہ تو پکے دنیا دار آدمیون کا کام ہے نہ کہ حاملانِ شریعت وطریقت نفوس قدسیہ کا۔

خلافت کا اصل حقدار علی مرتضیٰ اپنی ذات کو سمجھتے تھے

عبارت مذکور کا پانچوان نتیجہ۔

خامساً یہ کہ جناب ولایتمآبؑ کا حضرت عباسؓ سے یہ ارشاد فرمانا "پھر خلافت ہم سے لے لیگئی" روزِ روشن کیطرح اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ جناب امیر المومنینؑ کے نزدیک رسول کریم صلعم کے بعد خلافت ونیابتِ رسول کا حق محض آپ ہی کی ذات میں منحصر ومخصوص تھا "پھر" کا لفظ صریحاً اس امر کا مشعر ہے کہ پہلے دو موقعوں پر بھی ہمارا حق بزور ہم سے سلب کو لیا گیا تھا اور اب تیسرے موقع پر بھی وہی دست اندازی پھر کیگئی۔ اس واقعہ سے کم ازکم اسقدر تو بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت دو خلافتون کے مسلسل دور ختم ہوجانے تک جناب امیر المومنینؑ اور کل بنی ہاشم خلفاے ماسبق کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ اور تیسری خلافت کے قرار داد میں بنی ہاشم کو محروم کرنیکے لئے ڈپلومیسی کے جو عجیب طریقے اختیار کئے گئے وہ جناب عباسؓ اور جنابؑ امیر المومنینؑ کے نزدیک راستی اور صداقت سے بمراحل دور تھے۔

عبارت مذکور کا چھٹا نتیجہ

سادساً یہ کہ جناب عباسؓ کا تاکید اکید جناب امیر المومنینؑ کو یہ مشورہ دینا کہ "جب وہ لوگ کسی کو خلیفہ بنانا چاہیں تم ہرگز نہ مانو" اس اصول کو حرف غلط کی

طرح مٹاتا ہے کہ لوگون کے اتفاق اور شورے سے جو شخص خلیفہ رسول مقرر ہوتا ہے وہ حق پر ہوتا اور تخت خلافت پر بیٹھتے ہی معاً قرآن و حدیث کا مجسمہ اور راستی و تدیّن کا پتلا بنجاتا ہے. کیا عباسیت سے فضل و شرف کا طبل بجانے والے اس موقع پر یہ کہسکتے ہیں کہ جناب عباسؓ نے ولایتمآبؑ کو ایک طفلانہ، لغو اور گمراہ کن مشورہ دیا؟ یا وہ معاذاللہ آیہ استخلاف اور پیش نمازی والی روایت سے اگر واقعاً وہ سچی حدیث رسول تھی، ناواقف تھے؟ اگر سچ مچ ایسا ہے تو کہان گئی وہ انکی قرآن دانی اور اصابت رائے؟ اور کہان تشریف لگیا انکا علم حدیث؟ اور کس پردہ میں مستور ہوا انکا درد اسلام اور زہد و تقوی و تقدس؟ بینوا و توجروا۔

عبارت مذکور کا ساتوان نتیجہ

سابعاً یہ کہ جناب عباسؓ کا یہ ارشاد کہ دوسرے شخص کو اگر پھر یہ منصب ملا تو یاد رکھو ہم کو کچھ نفع حاصل نہیں ہو سکتا" جناب عباسؓ کے اسی جذبہ رفض و تشیّع پر روشنی ڈالتا ہے کہ ابتک جن لوگونکو اس منصب پر قبضہ حاصل ہوا تھا وہ خلافتِ نبوۃ کے حقیقی وارث اور حقدار نہ تھے بلکہ دوسرے اشخاص تھے اور اب پھر دوسرے ہی لوگ منبر رسول پر تسلط حاصل کرنا چاہتے ہین ؛

جناب عباسؓ کے قول سے ایک سرّ مخفی کا انکشاف

جناب عباسؓ کا یہ پرمغز کلام عند الامعان ایک سرّ مخفی اور حقیقت نفس الامری سے خبر دیتا ہے۔

مصنف تاریخ امروہہ اور اس کے ہمخیال جنہون نے اپنی خوش فہمی اور خوش اعتقادی کی موافق، دین اسلام کا اصلی اور حقیقی فلسفہ محض لوٹ مار فتنہ و فساد اور نپولین بوناپارٹ کی طرح فتوحات اور ملک گیری کی نبرد آزمایؤن کو سمجھ رکھاہے اور جن کے مذہبی عقیدے میں "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کا اصول چمکتا ہوا نظر آتا ہے. گویا وہ اسی خیال میں

مست ہین کہ بس اسلام کی جو کچھ سب سے بڑی خوبی ہے اور جو کچھ اس کا اصلی عطر ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہمارے فلان خلیفۃ المسلمین نے فلان ملک پر چڑہائی کی اتنے ہزار مندر اور گرجے اپنی فوجی طاقت کے ذریعہ سے مسمار کرا کر ان کی بجائے مسجدین بنوا دین اتنے شہر فتح کئے اور اتنے کافرونکو اپنی تیغ بران کے ذریعہ سے مسلمان کیا اور خوب اسلام کا جھنڈا گاڑا۔ ان کے خیال میں خلیفۃ الرسول یا ایک پیشوائے روحانی اور اولی الامر کی شناخت کا معیار ہی یہ ہے کہ جسکو دیکھا کہ اس کے گرد و پیش خلائق کا ہجوم ہے، فوجی طاقت زبردست ہے اور دہینگامشتی سے گیادی اور مکاری اور غداری سے سریر حکومت پر متمکن و متصرف ہوگیا ہے خواہ وہ بچہ سقہ ہی کیون نہ ہو لیکن جب کوئی حکومتِ اسلامی اوسے مل گئی خواہ وہ تہوڑی ہی مدت کے لئے سہی تو اس کے پکے عارف باللہ ہونے میں کیا شبہ رہا اچھا خاصا ٹکسالی امیر المومنین اور مکمل رضی اللہ عنہ ہوگیا۔ اس پر دلیل یہ خوبصورت دیجاتی ہے کہ اگر وہ ناحق پر ہوتا تو اوسے بلاد اسلامیہ کی سلطنت کیسے ملجاتی، اللہ صاحب کیون اس کی تائید و نصرت فرماتے، کچھ تو اسکے اندر ایسی غیر معمولی خوبیان اور فضیلتین ہونگی جن کی وجہ سے اللہ صاحب نے اُسے ایسی نمایان فتح اور ایسی عظیم الشان نعمتین کرامت فرمائین لہذا جو ہوگیا وہی حق تھا۔ اس کے حالات اور کیریکٹر کے جانچ و پرتال کی کچھ ضرورت نہیں۔ ماشاء اللہ آفرین ہے ارباب کلوخ کی اس فہم و دانش پر!!!

جناب عباسؓ کے کلام کی غلط تعبیر

ایسی عقل و فہم کے لوگ جو روحانیت سے کوسون دور ہین جناب عباسؓ کے کلام بلاغت نظام کی گہرائیوں تک کیا خاک پہونچ سکتے ہیں۔

بادی النظر میں جناب عباسؓ کے اس فقرے کا کہ "دوسرے شخص کو اگر پھر یہ منصب ملا تو ہم کو کچھ نفع حاصل نہیں ہوسکتا" غالبًا ان لوگون کے نزدیک یہی مفہوم ہوگا کہ جناب عباسؓ کی

یہ تمام کوشش بلیغ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق محض اس لئے تھی کہ آپ اس امر کے متمنی تھے۔ کہ سلطنت بنی ہاشم کی طرف لوٹ آئیگی تو انہیں بھی کچھ نفع دنیا حاصل ہوجائیگا کہیں کے گورنر ہوجائیں گے یا کوئی جاگیر مل جائیگی۔ لیکن واضح رہے کہ اگر اس کلام کے یہ معنی لئے گئے تو جناب عباسؓ کے تمام فضائل ومناقب سراسر لغو اور باطل ہوجاتے ہیں

تعبیر مذکور سے مخالفین اسلام کو ایک لاجواب اعتراض کا موقع

یہی نہیں بلکہ مخالفین اسلام کے اس دعوے کو بڑی تقویت پہونچتی ہے کہ اسلام روحانیت کا معلم نہیں بلکہ وہ نفس پرستی اور دنیوی ترقی کے استحصال بالجبر کا ایک خطرناک آلہ ہے اس لئے کہ "اھل البیت البصر بما فی البیت" جب خود پیغمبر اسلام کے خاندان اور کنبہ کے لوگ اور آپ کے محترم چچا دنیا طلبی پر اس درجہ مائل تھے کہ مسلمانوں کے مذہبی مشترکہ مفاد کو اپنی نفس پرستی کے خاطر پامال کرنیکے لئے ہر طرح آمادہ اور تیار رہے تو کونسی وجہ مانع ہے کہ بھتیجے یعنی نبیؐ عربی کا بھی یہی نصب العین یقین نہ کیا جائے۔ ضرور ہے کہ چچا کو اوسی وقت حرص و طمع دنیا دامنگیر ہوئی ہوگی جبکہ اُسنے بھتیجے کا منتہائے مقصود یہی پایا ہوگا کہ جب تک نبوت کا دعویٰ کرکے لوگوں پر حکومت حاصل نہ کی جائے کچھ نفع دنیا حاصل نہیں ہوسکتا اور جبکہ خود گھر والوں کا یہ حال ہے تو دوسرے لوگوں کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی نفسانی خواہشات سے علیحدہ ہوں درآنحالیکہ دنیا کے پیش نظر ہے کہ ابتدائے انعقاد خلافتِ اولیہ سے تیسرے دور تک اُن لوگوں کی جانب سے مسلسل ایسی تدابیر عمل میں لائی گئیں جن کی وجہ سے سلطنت اسلامی بنی ہاشم تک نہ پہونچ سکی اور چوتھے دور میں بمشکل تمام اس کی نوبت پہونچی تو اوس کی بیخ کنی اور برہمی کے لئے خود صحابہ کرام اور بعض امہات المومنین کی جانب سے تمام ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیا گیا۔

شرح مقاصد سے مخالفین اسلام کے اعتراض کو تقویت۔

اسی سلسلہ مین شرح مقاصد کی دوسری جلد مین علامہ سعد الدین تفتازانی کی یہ تحقیقات کہ

ان ما وقع بین الصحابة رضوان الله علیهم من المحاربات والمشاجرات علی الوجه المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنة الثقاة یدل بظاهره علی ان بعضهم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق و کان الباعث له الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملك والریاسة والمیل الی اللذات والشهوات الخ

"حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان آپسمین جسقدر لڑائی جھگڑے پیش آئے جو تاریخ کی کتابون میں مندرج پائے جاتے اور معتبر اور ثقہ لوگون کے زبان زد ہیں وہ کھلم کھلا اس امر پر دلالت کرتے ہین کہ ان مین ایسے حضرات "رضی اللہ عنہم" بھی شامل تھے جو راہ حق سے منحرف ہو کر ظلم اور بدکاری کی حد کو پہونچ گئے تھے۔ اور اُن رضی اللہ عنہم کی اس کیفیت کا سبب باہمی عداوت اور کینہ اور بغض وحسد اور طلب ملک وریاست اور لذت وشہوت پرستی کے شوق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔"

اگر کہین خدا نخواستہ مخالفین اسلام کے پیش نظر ہو گئی تو اُن کے مذکورہ بالا اعتراض کا کسقدر وزن بڑھ جائیگا۔ اب محمود وفرید بتائین کہ مخالفین اسلام کے اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا اور حضرت عباسؓ کا دامن دنیا طلبی اور حبِ جاہ کے لوث سے کسطرح پاک و صاف ہو سکتا ہے اور اگر نہیں ہو سکتا تو سیرۃ العباسؓ لکھکر تم نے حضرت عباسؓ کی کونسی خوبی ثابت کی۔ سچ تو یہ ہے کہ اُن کی ساری خوبیون کو ڈبو دیا اب نہ اُنکا اسلام قابل فخر رہا اور نہ تمہاری عباسیت کسی فضل وشرف کے مستحق رہی بلکہ شائستہ دُنیا کے نزدیک وہ موجب ننگ وعار ہو گئی۔ فصدق فی ما قال اللہ تعالیٰ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ

حضرت عباسؓ سے دنیا طلبی کا الزام بغیر انکو شیعہ قبول کیے دفع نہیں ہو سکتا

لیکن اگر تم شیعہ مذہب قبول کر لو تو یہ جواب دے سکتے ہو کہ حضرت عباسؓ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اسلام کے وجود میں آنے کی جو اصلی غرض و غایت تھی کہ روحانیت کی کامل و مکمل تعلیم دیجائے اور بنی آدم کو محاسن عادات اور مکارم اخلاق سے آراستہ و پیراستہ کر کے خدا کا سچا پرستار بنایا جائے وہ اسی صورت میں منحصر تھی کہ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد معلم ربانی اور سر اللہ فی العالمین امیر المومنین علی بن ابیطالب کو تمام مسلمان اپنا مقتدا تسلیم کریں اور ان کی ہدایت و نصیحت سے حقیقی فائدہ اٹھا کر فائز المرام ہوں لیکن عامۃ الناس اور ظاہر بیں لوگوں کا رجحان چونکہ اوسی شخص کی طرف ہوتا تھا جبکو وہ منبر رسول پر بحیثیت حکمران جلوہ افروز پاتے تھے لہذا ضرورت تھی کہ ظاہری حکومت بھی آپ ہی کے پنجۂ اقتدار میں رہے تاکہ اسلام کی سچی اور خالص تعلیم کی ترویج اور نشر و اشاعت بلا کسی رکاوٹ کے علی وجہ الکمال ہو جائے اور اس ذریعہ سے دنیا کو ضلالت و گمراہی اور ہلاکت ابدی سے مخلصی حاصل ہو۔

یہی وہ نفع تھا جسکو حضرت عباسؓ بوجہ درد اسلامی اپنا نفع ظاہر فرماتے ہیں اور وہ نفع انکے نزدیک خلافت اول سے لیکر خلافت ثانیہ کے اختتام تک بالکل فوت ہو رہا تھا جو ان کے

اس فقرہ سے علانیہ ظاہر ہے کہ "اگر پھر یہ منصب دوسرے شخص کو ملا تو یاد رکھو ہم کو کچھ نفع حاصل نہیں ہو سکتا" جس کا صریح مقصود یہ ہے کہ اس سے قبل کی خلافتوں میں تو ہم اس نفع سے محروم ہی تھے اب اگر پھر کوئی دوسرا شخص آپ کے سوا خلیفہ بن بیٹھا تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ اسلامی مفاد بالکل غارت ہوا کیونکہ آپ کے سوا نہ سابقین اس منصب جلیلہ کے اہل تھے اور نہ اب آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا اس کے لایق و سزاوار ہو سکتا ہے۔ ہمکو یقین ہے کہ محمود و فرید اگر تمام دنیا کے عقلا کو مجتمع کر لیں تو حضرت عباسؓ کو دنیا طلبی کے الزام سے بری ثابت کرنیکے لیے اس کے سوا کوئی دوسری توجیہ پیش نہیں کر سکتے

جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چار و ناچار انہیں شیعہ تسلیم کیا جائے۔

عبارت مذکور کا آٹھوان نتیجہ

ثامناً یہ کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت پر بیعت واقع ہونیکے بعد بھی درحقیقت جناب عباسؓ انکو خلیفہ برحق نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کے دلمین انعقاد خلافت کے بعد بھی اس آرزو کا باقی رہنا کہ جناب لائیںؑ کے ہاتھ پر تمام مسلمان بیعت کرتے تصریحاً اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ وہ انعقاد اُنکے نزدیک شریعت اسلام کے مطابق نہ تھا ورنہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عباسؓ بھی عام لوگون کی طرح ایک دنیا دار، طامع اور خودغرض آدمی تھے اور اُس چیز کی ناجائز آرزو ان کے دلمین تھی جس کا واقعاً انہیں حق حاصل نہ تھا۔ یہ سنی خیز نتیجہ محض اسبات کا ہے کہ انہیں سُنی قرار دیا جائے۔

خلافت عثمانؓ حضرت عباسؓ کے نزدیک جائز نہ تھی

اے عباسیت کے دعویدارو! اگر حضرت عباسؓ کو تم واقعاً دیندار، قال اللہ و قال الرسول پر عمل کرنے والا اور مقدس بزرگ سمجھتے ہو اور اگر تمہین انکا واقعی فضل و شرف اور دینی وقار قائم رکھنا مدنظر ہے تو اس دنیا داری بے دینی جاہ طلبی اور مداہنت کے الزام سے جو انکو منافقین کے زمرہ سے واصل کرتا ہے انہین پاک و صاف ثابت کرو اور لاکلام وہ اُسی وقت ممکن ہے جبکہ انہیں بلا تامل شیعہ تسلیم کیا جائے جیسا کہ خود تمہاری مسلمہ کتابون سے کماحقہ ظاہر و ثابت ہے۔

حضرت عباسؓ کے شیعہ ہونیکے دلائل تو خود سیرۃ العباس سے معلوم ہو چکے اور ہمین ضرورت نہ رہی کہ دیگر کتب و اسفار معتبرہ مذہب اہل سنت کے شواہد پیش کرین اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت ابو محمد فضل ابن عباسؓ و جناب عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہما کے خیالات و عقائد خلافت عتیقی کے بارے میں شیعہ عقائد کے مطابق ہیں یا وہ سنیون کے نقطہ نظر سے

فرزندان عباسؓ کا مذہب

اتفاق رکھتے ہیں ؛

علامہ ابن ابی الحدید جو اجلّہ مشاہیر اور اعاظم نحاریر اہل سنت سے ہیں اپنی شہرۂ آفاق تصنیف شرح نہج البلاغہ کی پانچوین جلد میں لکھتے ہین :-

فضل رضؓ بن عباس رضؓ کے تبرّائی شیعہ ہونیکا ثبوت

روى الزبير بن البكار قال روى
محمد بن اسحاق ان ابا بكر لما بويع
افتخرت تيم بن مرة قال
وكانت عامة المهاجرين
والانصار لا يشكون ان
عليا عليه السلام هو صاحب
الامر بعد رسول الله
صلى الله عليه وسلم
فقال الفضل بن عباس
يا معشر قريش وخصوصا
بنى تيم انما اخذتم الخلافة
بالنبوة ونحن اهلها دونكم
ولو طلبنا هذا الامر الذى
نحن اهله لكانت كراهية
الناس لنا اعظم من كراهيتهم

زبیر ابن البکار راوی ہین کہ محمدؐ بن اسحاق نے بیان کیا کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت کا معاملہ طے ہو گیا تو قبیلہ تیم نے اس پر بہت کچھ بغلین بجانی شروع کین حالانکہ عامۂ مہاجرین و انصار کو اس بارے مین کسی طرح کا بھی شک و شبہ نہ تھا کہ پیغمبر خدا صلعم کے بعد آپ کے خلیفہ برحق جناب امیر المومنین علی علیہ السلام ہین ؛؛

اس موقع پر جناب فضل بن عباس نے فرمایا کہ اے گروہ قریش اور خاصکر اے قبیلہ بنی تیم تم لوگون نے نبوت کے معاوضہ مین خلافت و نیابت نبوت پر قبضہ حاصل کیا ہے حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ نیابت نبوت کا اصل اور مستحق بھی ہمارا ہی خاندان ہے نہ تم لوگ اور یہ ضرور ہے کہ اگر ہم اس امر خلافت کے مطالبہ مین جس کے جائز وارث ہم لوگ ہین کامیاب ہو جاتے تو عام طور پر صحابہ کو ہمارے اغیار سے جو کراہت تھی اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر وہ ہم سے کراہت کرتے بوجہ اس حسد او بغض و عداوت کے جو خصوصیت کے ساتھ وہ ہم سے

نغیرنا حسداً امنہم لنا وحقداً علینا	رکھتے ہیں حالانکہ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ عہد خلافت ہمارے پیشوا
وانا لنعلم انّ عند صاحبنا عہد دھو	امیر المومنین علی علیہ السّلام ہی کے لئے ہے اور آپ ہی کی
ینتھی الیہ ؎	ذات اقدس تک منتہی ہوتا ہے ؎

یہ تو حضرت فضیل بن عباسؓ کا مذہب تھا جو ظاہر ہے کہ سوائے تبرائی شیعہ کے کسی اہلسنت کا نہیں ہو سکتا۔

عبد اللہ بن عباسؓ کے غالی شیعہ ہونیکے دلائل

اب جناب عبد اللہ بن عباسؓ کا مذہب بھی قابل ملاحظہ ہے:۔

حضرت امام راغب اصفہانی جنکو علامہ سیوطی اور امام فخر الدین رازی جیسے اکابر مشائخ و اساطین اور اماثل ائمہ متقدمین سُنیہ نے "امام اہل سنت" تسلیم کیا ہے جیسا کہ کتاب مدینۃ العلوم سے ظاہر ہوتا ہے اپنی کتاب محاضرات میں جناب ولایتمآب کے فضائل و مناقب کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

عن ابن عبّاس رضؓ قال کنت	حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہین کہ مین ایک شب مین حضرت
اسیر مع عمر بن الخطابؓ	عمر بن الخطاب کی معیت مین جا رہا تھا حضرت عمر خچر پر سوار
فی لیلۃ وعمر علی بغلۃ	تھے اور مین گھوڑے پر تھا انہون نے ایک آیہ قرآنی کی
وانا علی فرس فقرأ ایۃ	تلاوت فرمائی جس میں علی بن ابیطالب کا ذکر تھا اس پر حضرت
فیھا ذکر علی بن ابی طالب	عمر نے ارشاد فرمایا کہ اے بنی عبد المطلب اصل تو یہ ہے کہ
فقال ما واللہ یا بنی	بخدا اے ابا زالی تم مین علی ابن ابیطالب ہی وہ شخص ہیں
عبد المطلب لکان علی فیکم	جو اس منصب خلافت کے مجھ سے بھی زیادہ اہل ہیں اور ابوبکر
اولی لھذا الامر منی ومن ابی	سے بھی از روئے استحقاق انکا پایہ بلند ہے تب مین نے

بکرۃ فقلت فی نفسی لا قالنی
اللہ ان اقلت فقلت انت
ذاک یا امیر المومنین وانت
وصاحبک اللذان وثبتما و
انتزعتما الامر دون الناس"

اپنے دل میں یہ سوچکر کہ اگر اس موقع پر حق بات کہنے سے میں پرہیز کرونگا تو خدا مجھ سے پرہیز کریگا حضرت عمر سے صاف کہدیا کہ حضرت اس کے ذمہ دار تو جناب ہی ہیں اور جناب کے رفیق کار حضرت ابوبکر جو دونو صیول خلافت کے لئے اس میدان میں کود پڑے اور دہینگا مشتی سے اسکو اپنی طرف کھینچ لیا اور لوگونکو اسمین کیا دخل ہے"

اب محمود و فرید دونوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ حضرات علمائے اہل سُنت سے یہ استفتا کریں کہ آیا حضرات شیخین رض کی نسبت جو شخص ایسے خیالات وعقائد اپنے دلمیں رکھے جیساکہ حضرت عبداللہ بن عباس رض کے خیالات مذکورہ بالا واقعہ سے ثابت ہوتے ہیں تو ایسے شخص کی بابت شرع شریف میں کیا حکم ہے آیا وہ سُنی رہ سکتا ہے یا حدود سنیت سے خارج ہو کر تبرائی شیعہ کہلانے کا مستحق ہے؟ بیّنوا وتوجروا۔

ہم محمود و فرید دونونکو ایک امر حق کا یقین دلاتے ہیں کہ اہل سنت کی معتبر کتابون میں حضرت عبداللہ بن عباس کے شیعہ ہونیکے شواہد اس کثرت سے موجود ہین جنکو جھٹلانا ایک امر محال ہے۔۔

واقعہ قرطاس مین ابن عباس رض کی مذہبیت کا نظارہ ✣

تمام باتوں سے قطع نظر ایک واقعہ قرطاس ہی پر منصفانہ نظر ڈالی جائے جو تمام سنی لٹریچر حتی کہ صحیحین بخاری و مسلم مین مندرج پایا جاتا ہے تو صریح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رض کسقدر اس واقعہ سے متاثر تھے حتی کہ ہر پنجشنبہ کو وہ اس سانحہ عظیمہ کو یاد کرکے اس

اندوہ ناک مصیبت پر رویا کرتے تھے کہ حضرت رسولؐ کی آخری وصیت کی تعمیل بعض صحابہ کرام کی ناواجب دست اندازی اور استبداد کی وجہ سے نہ ہو سکی اُسی کا یہ اثر ہے کہ مصنف سیرۃ العباس جیسے عقل و فہم کے لوگ اب تک اس گمراہی میں مبتلا ہیں کہ:-

مسئلہ خلافت کچھ ایسا گول مول رہا اگر اُسوقت اظہار ہو جاتا تو اس عظیم الشان اختلاف کی بنیاد اسی وقت منہدم ہو جاتی" (سیرۃ العباس صفحہ ۱۲۲)

لیکن وہ اس پر غور کرنا نہیں چاہتے کہ اس عظیم الشان اختلاف کی بنیاد قائم کرنے اور اس "گول مول" کو "کھول کھول" صاف نہ کرنے کا الزام کس پر ہے؟ آیا اُس مہبط وحی پر جو اس عظیم الشان اختلاف کی بنیاد کو منہدم کرنے کا ایک تحریری نسخہ ہمیشہ کی گمراہی سے بچانے کے لئے اتمام حجت کے طور پر تمام اختلاف کرنے والوں کے حوالہ کرنا چاہتا تھا یا اُن سچے عاشقانِ اسلام پر جو "فلا وربك لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم" کے خلاف رسولؐ کے محاکمہ سے مستغنی تھے اور تنہا کتاب اللہ کے کافی ہونے کا دلفریب نعرہ بلند کر رہے تھے؟

حدیث قرطاس۔ بروایت بخاری و مسلم

ان لوگوں کی بصیرت کے لئے ہم اُن تمام روایات کا خلاصہ جو بخاری و مسلم میں باسانیدِ مختلفہ و عباراتِ متنوعہ پائی جاتی ہیں مشکوۃ شریف سے یہاں نقل کرتے ہیں جو یہ ہے:-

عن ابن عباس رضؓ قال لما حضر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب رضؓ قال النبیؐ ھلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ	حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول مقبولؐ کے احتضار کا وقت آیا در آنحالیکہ آپ کے بیت الشرف میں چند اشخاص موجود تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رونق افروز تھے تو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ آؤ میں تمہارے واسطے ایک ایسی دستاویز قلمبند کر دوں

بعدہ فقال عمر قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ فاختلف اهل البیت واختصموا منهم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومنهم من یقول ما قال عمر رض فلما اکثر واللغط والاختلاف قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوموا عنی قال عبید اللہ فکان ابن عباس یقول ان الرزیة کل الرزیة ما حال بین رسول اللہ ص وبین ان یکتب لهم ذلک الکتاب لاختلافهم ولغطهم وفی روایة سلیمان بن ابی مسلم الاحول قال ابن عباس رضی اللہ عنہ یوم الخمیس وما یوم الخمیس

جس کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لئے تمہاری ضلالت اور گمراہی کا سدِّ باب ہوجائے یہ سنتے ہی حضرت عمر اس بیان کے ساتھ درپے مزاحمت ہوئے کہ ان حضرت پر کچھ درد کا غلبہ معلوم ہوتا ہے تم لوگوں کے پاس قرآن تو موجود ہی ہے اور گمراہی سے بچانیکے لئے وہی تنہا کافی ہے رہبر کسی اور یادداشت کی ضرورت ہی کیا باقی رہی جس کے لئے حضرت تکلیف فرماتے ہیں)

اس دخل در معقولات سے دیگر حاضرین نے اختلاف کیا پھر تو خوب گلو ب مچی اور جھگڑے کو اسقدر طول ہوا کہ صحابہ کرام میں دو فریق ہوگئے ایک فریق وہ تھا جو یہ کہتا تھا کہ سامان کتابت آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دینا چاہیئے تاکہ آنحضرتؐ جو کچھ تمہارے لئے تحریر فرمانا چاہتے ہیں وہ تحریر فرمادیں اور دوسرا فریق حضرات صحابہ کبار کا حضرت عمر کی رائے کا حامی تھا یعنی حکم رسول کی تعمیل نہ کرنا چاہیئے)
آخر کار جب رضی اللہ عنہم اجمعین کا شور و غل اور لام قاف انتہا کو پہنچ گیا تو سردار دو عالمؐ نے فرمایا میرے پاس سے دور ہوجاؤ عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اس واقعہ کے بعد یہ معمول ہوگیا تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کیسی سخت آفت اور کیسی عظیم الشان مصیبت کی وہ شکل تھی جو صحابہ کرام کے اختلاف اور غل غپاڑے کے تلاطم میں حضور سرور عالم اور آپ کے ارادہ کتابت کے راستہ میں حائل ہوگئی سلیمان احول کی روایت میں اس امر کی بھی تصریح

ثم بكى حتى بل دمعه الحصى قلت يا ابن عباس رض، وما يوم الخميس قال اشتد برسول الله صلى الله عليه واله وسلم وجعه فقال ائتونی بكتف اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا فتنازعوا ولا ينبغي عند نبي تنازع فقالوا ما شانه اهجر استفهموه الحديث	واقع ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے پنجشنبہ کا دن ہائے پنجشنبہ کا دن کیسا سخت تھا۔ یہ کہکر آپ زار زار روتے یہان تک کہ آپ کے آنسوؤن کے قطرات سے سنگریزے تر ہو جاتے تھے۔ سلیمان کہتے ہیں مین نے ابن عباس سے پوچھا کہ پنجشنبہ کے دن کا کیا واقعہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ اوس روز رسول اللہ صلعم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ مین تمہارے لئے ایک ایسا کتبہ تحریر کردون جس کے بعد تم کسی وقت مین گمراہ نہیں ہو سکتے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس حکم رسول کے مقابل نزاع عظیم برپا کیا حالانکہ پیغمبر خدا کے روبرو انہین کسی طرح جھگڑا کرنا مناسب نہ تھا صحابہ کرام نے کہا کہ پیغمبر جناب کس حال مین ہین کیا انہیں ہذیان تو نہیں ہوگیا یہ بات دریافت کرنی چاہیے۔"

اس واقعہ ہائلہ سے جس پر ملتزمین صحت اخبار اور محدثین کبار والاتبار عام طور پر متفق ہین کسی معمولی فہم و ادراک رکھنے والے کو بھی اس بارہ مین شک و شبہ کی گنجایش نہیں ہو سکتی کہ جناب عبداللہ بن عباسؓ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس اقدام کو جو حکم رسولؐ سے کھلم کھلا سرتابی اور انحراف کا مظہر تھا اور جس کے باعث صاحب "ما ینطق عن الھوی" کی آخری وصیت حقارت کے ساتھ مسترد کردی گئی اور اس کی تکمیل نہ ہو سکی "تبرائی شیعون" کی طرح اسلام کے لئے ایک عظیم الشان مصیبت خیال کرتے اور اس پر کف افسوس ملتے رہتے تھے۔ ہمارا مقصد اس واقعہ کے ایراد سے صرف اسقدر ہے کہ جس طرح آج اس واقعہ قرطاس سے متاسف ہو

حدیث مذکورہ سے عبداللہ بن عباسؓ کے غالی شیعہ یا تبرائی رافضی ہونیکا ثبوت

متحسر ہونے والوں کو بارگاہ سنیت سے رافضی کا خطاب ملتا ہے کیا وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی اپنے اس مخالف اجماع طرز عمل سے رافضی نہ سمجھے جائیں حالانکہ انکی تمام حرکات و سکنات رفض و تشیع کے اثرات سے مملو ہیں۔ ومن ادّعی خلافه فعلیه البیان"

یہ تو آپ کے اصولی عقائد متعلقہ عظمت صحابہ اور نوعیت خلافت اجماعیہ کا حال تھا لیکن اگر دوسرے اعتقادی امور میں جو مخص فرقہ شیعہ امامیہ کے ساتھ خصوصیت خاصہ رکھتے ہیں اور جن کی مخالفت "تسنن کی مخصوص علامت مقرر کی گئی ہے اگر بغور و فکر تفحص کیا جائے تو ہمارے گذشتہ بیان کی کماحقہ تصدیق ہو گی :۔

سیرۃ العباس اور تاریخ امروہہ کے مصنفین نے اپنی چند خود ساختہ اور موضوعہ روایات کی بنا پر جو عقل اور نقل متواتر دونوں کے معارض ہیں بڑی جسارت کے ساتھ یہ قرار دیا ہے کہ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد عترت و اہل بیت نبوۃ میں داخل ہیں۔

لہذا ہم کو موقعہ ہے کہ ہم اہل بیت نبوۃ کے بعض معتقدات کو نمونہ کے طور پر علمائے اہل سنت کے مسلمات سے پیش کریں اور پھر یہ دریافت کریں کہ آیا ایسے عقیدہ کے ساتھ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کو "تسنن" کے عالیشان قصر میں کسی جگہ کا دستیاب ہونا واقعاً ممکن بھی ہے یا نہیں ؟

اہل بیت نبوۃ کے عقیدہ میں حضرت ابو طالب مومن تھے	علامہ ابن اثیر جزری اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتے ہیں :۔
لم یسلم من اعمام النبیؐ الا حمزۃ رض وعباس رض واهل البیت یزعمون ان ابا طالب مات مسلما	"اعمام نبی سے سوائے حمزہ اور عباسؓ کے کوئی مسلمان نہیں ہوا اور اہل بیت گمان کرتے ہیں کہ ابو طالب کی موت اسلام پر ہوئی"

اور علامہ محمد معین المعروف بہ ملّائے کاشفی اپنی کتاب معارج النبوۃ کے رکن سوم میں فرماتے ہیں

نقل است از اہل بیت کہ ایشان اتفاق دارند بر آنکہ ابوطالبؑ بہ ایمان رفتہ۔

"اہل بیت رسالت سے منقول ہے کہ اُن حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابوطالب دولت ایمان کے ساتھ اس دنیا سے تشریف لے گئے"

یہاں اس امر کا فیصلہ کرنا کہ آیا فی نفس الامر حضرت ابوطالب کے اسلام اور عدم اسلام کے بارے میں صحیح عقیدہ کیا ہونا چاہیئے ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے ہمارا مقصود صرف اسقدر ہے کہ علمائے اہل سنت کو بھی یہ تسلیم ہے کہ اہل بیت نبوۃ کے اعتقاد میں حضرت ابوطالب مومن تھے اور اس پر اُنکا اتفاق ہے ؛

عقیدہ مذکور مذہب اہل سنت کی خلاف ہے

لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مذہب اہل سنت برخلاف مذہب اہلبیت بلا اختلاف یہ تعلیم دیتا ہے کہ حضرت ابوطالب کفار کے زمرہ میں معدود تھے اور یہ کہ اہل بیت کے عقیدۂ مذکور سے مطابقت محض شیعون کے ساتھ مخصوص ہے ؛

اب جس حال میں کہ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد امجاد کو اہل بیتِ نبوۃ قرار دیا جاتا ہے اگر واقعاً یہ صحیح ہے تو لامحالہ اس امر کا اعتراف لازم آتا ہے کہ حضرات ممدوحین کے اعتقاد میں حضرت ابوطالبؑ مسلم اور مومن تھے جو مذہب اہل سنت کے اجماعاً خلاف ہے کوئی شخص جو ایسا عقیدہ رکھے سُنّی نہیں ہو سکتا لہذا ایک متدین اور خداترس منصف کے لئے یہی ایک امر حضرت عباسؓ وعبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کے شیعہ ہونے اور سُنّی نہ ہونے کی ایک روشن دلیل ہے ؛ (مزید توضیح کے لیئے دیکھو لحاقۃ الکتاب نمبر۲)

حضرت ابن عباسؓ کے فتاوی سنیوں کے مخالف اور شیعوں کے موافق ہیں

علاوہ اس کے اگر جناب عبداللہ بن عباسؓ کے فتاوی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام مسائل شرعیہ جن میں صرف شیعہ منفرد ہیں اور جن کو شیعوں سے مختص اور مخصوص سمجھا گیا ہے، حضرت عبداللہ کے معمول بہا وہی مسائل تھے اور ان کی صحت پر وہ ایمان رکھتے تھے۔ چونکہ تمام ایسے مسائل کے بیان کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور یہ ذکر یہاں ضمنی طور پر ناگزیر بحث میں آگیا ہے اس لئے مذہب شیعہ کے صرف ایک مسئلہ کا ذکر نمونہ کے طور پر کافی ہوگا تاکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا شیعہ ہونا تاریخ امروہہ کے مصنف پر بخوبی واضح ہوجائے البتہ اگر طلب صادق کے ساتھ مصنف دیگر مسائل میں تحقیق کی طرف مائل ہوگا تو ہم بالتفصیل حضرت ابن عباسؓ کے تمام معتقدات کو مطابق مذہب شیعہ ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں

متعہ کے بارے میں سنی اور شیعہ کا اختلاف

غالباً حضرات علماء اہلسنت اس بارے میں ہم سے متفق ہونگے کہ مسئلہ خلافت کے مقدم ترین نزاع و اختلاف کے بعد سنی و شیعہ کے درمیان سب سے زیادہ سنگین اور قابل لحاظ اختلاف جس مسئلہ میں واقع ہوا ہے اور جو دونوں فرقوں کو ایک دوسرے سے متمیز کرنے والا ہے وہ عقد متعہ کا مسئلہ ہے شیعہ اس مسئلہ کو حلال اور مشروع اعتقاد کرتے اور سنی اسکو زناکاری اور فعل حرام قرار دیتے ہیں. ہمکو اس موقعہ پر اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ آیا کتاب و سنت کی رو سے مذہب اسلام میں یہ مسئلہ جائز ثابت ہوتا ہے یا ناجائز بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا اسکے متعلق کیا مذہب ہے:-

حضرت ابن عباسؓ مدت العمر متعہ کو حلال جانتے رہے

شرح معانی الآثار طحاوی میں ہے -

عن سعید بن جبیر قال سمعت
عبد اللہ بن الزبیر یخطب وھو
یعرض بابن عباس یعیب علیہ
قولہ فی المتعۃ فقال ابن عباسؓ
یسأل امّہ ان کان صادقاً
فسألھا فقالت صدق ابن عباس
قد کان ذلك فقال ابن عباسؓ
رضی اللہ عنھما لو شئت لسمیت
رجالاً من قریش ولدوا فیھا ؎
(الحدیث)

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ مین نے عبد اللہ بن زبیر کو خطبہ پڑہتے ہوئے سنا اور وہ اُس خطبے مین عبد اللہ بن عباس پر تعریض کرتے تھے اور اُن کے فتوائے جواز متعہ پر الزام رکہتے تھے۔ یہ سنکر ابن عباس نے کہا کہ اگر ابن زبیر سچے ہیں تو متعہ کے بارے میں اپنی والدہ ماجدہ سے پوچہین چنانچہ ابن زبیر نے اپنی مان سے دریافت کیا تو اُنہون نے کہا کہ عبد اللہ بن عباسؓ سچ کہتے ہیں بیشک یہی بات ہے۔ بعد ازین ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو مین قریش میں سے اُن لوگون کے نام بھی گناؤن جو متعہ سے پیدا ہوئے ہین :-

اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :-

قال ابن الھمام ویدل علی انہ لم
یرجع حین قال لہ علی ذلك ما فی
صحیح مسلم عن عروۃ بن الزبیر ان عبد اللہ
بن الزبیر قام بمکۃ فقال ان اناسا
اعمی اللہ قلوبھم کما اعمی ابصارھم یفتون
بالمتعۃ یعرض برجل فناداہ فقال انك
لجلف جاف فلعمری لقد کانت المتعۃ فی
عھد امام المتقین یرید بہ رسول اللہ صلعم

ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے مسئلہ جواز متعہ کے فتوے سے کبھی روگردانی نہیں کی اور اس بات پر صحیح مسلم کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ عروۃ بن زبیر سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن زبیر مکہ میں خطبہ پڑہنے کے لئے کہڑے ہوئے اور کہا کہ بعض اندہے کور باطن بھی ہیں جو متعہ کے جواز کا فتوی دیتے ہین گویا کیسی پر تعریض تھی بس اُس شخص نے (جس پر ابن زبیر نے یہ تعریض کی تھی) للکار کر کہا کہ تو بڑا احمق اور بدخو ہے میں اپنی جان کی قسم کہا کر کہتا ہون کہ

فقال له ابن الزبیر نجرت بنفسك فوالله لئن فعلتها لارجمنك باحجارك الحدیث ولا تردد فی ان ابن عباس هو الرجل المعرض به وكان قد كف بصره فلذا قال ابن الزبیر كما اعمی الله قلوبهم وهذا انما كان فی حال خلافة عبدالله ابن الزبیر وذلك بعد وفات علیؑ فقد ثبت انه مستمر القول علی جوازها	امام المتقین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں متعہ کیا جاتا تھا۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ تو نے اپنی ذات کو فسق وفجور کی جانب منسوب کیا خدا کی قسم اگر تو متعہ کریگا تو تجھے سنگسار کرون گا۔ (الحدیث) (ملا علی قاری فرماتے ہین کہ) یہ امر بلا تردد ثابت ہے کہ ابن زبیر نے جس شخص پر اندھے اور کور باطن کی تعریض کی تھی وہ عبداللہ بن عباسؓ تھے جو کہ آخر عمر مین نابینا ہو گئے تھے۔ اور چونکہ یہ ماجرا عبداللہ بن زبیر کے زمانۂ خلافت کا ہے اور حضرت علی کے بعد کا واقعہ ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ عبداللہ بن عباسؓ بدستور اپنے قول جواز متعہ پر قائم اور مستمر رہے۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی جنکو جہابذہ متجرین اہل سنت نے امام اجل و شیخ الاسلام اور امیر المومنین فی الحدیث کے خطابات عالیہ سے سرفراز فرمایا ہے اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں تحریر فرماتے ہین:۔

متعہ کا جواز شیعون سے مخصوص ہے اور وہی ابن عباسؓ کا مذہب تھا

قال ابن بطال روی اهل یمن و مكة عن ابن عباس اباحة المتعة وروی عنه الرجوع باسانید ضعیفة واجازة المتعة عنه	ابن بطال کہتے ہیں کہ مسئلہ متعہ کا مباح ہونا اہل یمن اور اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور ضعیف اسناد کے ساتھ انکے رجوع کی بھی روایت کیگئی ہے حالانکہ ان کی طرف سے متعہ کی اجازت کا ثبوت

اصح وھومذھب الشیعہ"   بالکل صحیح ہے اور یہی شیعون کا مذہب ہے۔

اب تاریخ امروہہ کے مصنف سے عوام کو یہ دریافت کرنیکا حق حاصل ہے کہ باوجود ادعائے عباسیت جناب عبداللہ بن عباسؓ کے مذہب سے اس کے انکار کی کیا وجہ ہے؟ اور اُن پر کیون افترا کرتا ہے کہ وہ سنی المذہب تھے۔ کیا اہلسنت کی خلافتِ ثلثہ سے سرتابی کرتے ہوئے اجماع اہل سنت کے خلاف حضرت ابوطالب کو مسلم اور مومن سمجھتے ہوئے اور عقد متعہ کو شیعون کی طرح جائز اور حلال مانتے ہوئے جو اہل سنت کے مذہب میں کھلم کھلا زنا کاری ہے کوئی شخص کبھی سُنی رہ سکتا ہے؟ حاشاوکلا۔ ہرگز نہیں۔

اگر مذہب شیعہ یہودیت کا مترادف ہے تو شیخ محمود کے آبائے کرام بالضرور یہودی تھے!

پھر جبکہ یہ امر ثابت ہوگیا کہ حضرت عباسؓ اور اُن کے واجب الاحترام بیٹے سب کے سب اسی مذہب کے معتقد اور اسی طریق پر عامل تھے جس کو "رافضیت" بتا کر "غلیہ" کی بے سروپا ژٹل سے یہ نا اہل "یہودیت" کا مترادف ثابت کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کے یہ کھلے ہوئے معنی نہیں کہ شیخ محمود کے اعتقاد مین اس کے آبائے کرام فی الواقع "رافضی نما یہودی" تھے اور یہ کہ وہ خود حقیقت میں یہودی المشرب ہے مگر لوگون کو دھوکا دینے کیلئے اپنے کو سُنی ظاہر کرتا ہے فلاحول ثم لاحول"

شیخ جی کی بانگ بے ہنگام

اس موقع پر شیخ محمود پر ایک دوسرا سوال بھی عائد ہوتا ہے اُس نے سادات امروہہ کے متعلق اپنی تاریخ مین جابجا یہ بانگ بے ہنگام بلند کی ہے کہ انہون نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا اور دنیا کے لالچ مین شیعہ بن گئے۔

بظاہر تو اس کا مقصود یہی پایا جاتا ہے کہ اس بے شعور کے نزدیک سچا مذہب وہی ہے جو "انا وجدنا اباءنا علےٰ امۃ وانا علےٰ اثارھم مقتدون" کے

مطابق ہو۔ اس اصول پر تو تمام صحابہ کبار و صغار جو اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے وہ سب کے سب بیدین اور گمراہ قرار پاتے ہیں۔ شیخ جی کے مطمح نظر کی رو سے انہیں اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر ہرگز اسلام قبول کرنا مناسب نہ تھا۔

اس کے علاوہ اُسنے سوائے جاہلانہ توہمات اور عامیانہ قیاسات دور از کار کے کوئی دلیل قطعی جس میں کسی احتمال کی گنجایش نہ ہو اس مقصد پر پیش نہیں کی کہ قدوۃ العارفین جناب سید شرف الدین علیہ الرحمۃ اور ان کی اولاد امجاد کا مذہب بالضرور "سنی" تھا لیکن ہم اس سے قطع نظر کر کے اس موقعہ پر ناصبیت مآب ملا سے پوچھتے ہیں کہ وہ بتائے کہ درآنحالیکہ جناب عباسؓ اور ان کی اولاد کا مذہب قطعی دلیلون سے شیعہ ثابت ہوتا ہے اور وہ ان کی نسل مین داخل ہونے کا مدعی ہے تو کیا یہ واقعہ نہیں کہ اوسنے اپنا آبائی مذہب چھوڑا؟۔ اس ارتداد کے بظاہر دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ یا تو اُسے دلائل و براہین کے ذریعہ سے یہ ثابت ہوا کہ جناب عباسؓ اور اونکی اولاد معاذاللہ غلطی اور گمراہی پر تھے اور یا اس دخول و خروج کی وجہ کچھ اور ہے جس کا اصلی راز و منکم من یرید الدنیا کے سوا دوسرا نہین ہو سکتا۔

پہلی وجہ تو کسی طرح عند العقلا قابل قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ قیامت تک کوئی ایسی عقلی اور شرعی حجت و دلیل وہ پیش نہیں کر سکتا جو حضرت عباسؓ اور حبرالامۃ و ترجمان القرآن مقبولہ سواد اعظم کے عقاید کو باطل کر سکے۔ لامحالہ طمع دنیا اس کا سبب ہو سکتی ہے۔

سادات امروہہ نے اپنا آبائی مذہب نہیں چھوڑا مگر محمود و فرید نے یقیناً چھوڑ دیا۔	نتیجہ یہ نکلا کہ ان اکابر دین و ملت کا مذہب جو لاریب مخالف اہلسنت

اور مطابق مذہب شیعہ تھا، سادات امروہہ نے تو ہرگز نہیں چھوڑا مگر محمود و فرید

نے دنیا کے لالچ میں یقیناً چھوڑ دیا۔

تصدیق ما قال اللہ تعالیٰ "اولئک الذین اشتروا الضللۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین"۔

سادات امروہہ کے مذہب کے متعلق مصنف کی دھوکے بازی

حقیقت یہ ہے کہ اپنے اس عیب پر پردہ ڈالنے کے لئے تاریخ امروہہ کے صفحات مین بار بار یہ بے تمیز اس سراسر بے بنیاد الزام کے دامن میں پناہ لیتا ہے کہ "سادات امروہہ کے مورث اعلیٰ اور تمام ان کے آبا اور اجداد حقیقتاً سنی تھے اور اب جو اُن کی اولاد باستثنائے چند شاذ و نادر افراد کے ہزارون کی تعداد مین مذہب شیعہ سے متمسک پائی جاتی ہے اُس کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ ان لوگون نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا"

اس وہم کو تقویت دینے کے لئے وہ شیعیانِ امروہہ کے اس عین الیقین کو غلط ثابت کرنا چاہتا ہے کہ "ان کے بعض آبائے کرام اپنی خاص مصلحتون کی بنا پر تقیہ کی حالت میں بسر کرتے تھے"

مصنف کا یہ وہم کہ سادات امروہہ کا تقیہ کرنا خلاف عقل ہے

مصنف کے اس مفروضہ کی دلیل محض اس حیرت انگیز استبعاد میں منحصر ہے کہ جن حضرات کو تقیہ پر عامل قرار دیا جاتا ہے وہ جمہور سکان امروہہ کے نزدیک مسلم الثبوت عالم و فاضل قاضی اور مفتی اور پیران طریقت قدس اللہ اسرارہم گذرے ہیں لہذا تقیہ پر انکا عمل کرنا (جو مصنف کے نزدیک ایک منافقانہ طرز عمل اور بیدینی کا طریقہ ہے) خلاف عقل اور بعید از قیاس ہے۔

مسئلہ تقیہ پر مصنف کا تمسخر و استہزا

ہمکو یقین ہے کہ مصنف شرح صدر سے اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ حقیقتِ واقعہ در اصل وہی ہے جو گرفتارانِ بلا کے اعقاب

نے خود سالہا سال کے بعد مکمل مذہبی آزادی اور سکون نفس حاصل ہونے پر علانیہ بیان کی ہے جیساکہ خصوصیت کے ساتھ بنی فاطمہؑ کے انتہائی دردناک اور عدیم النظیر واقعات و حوادث کی بنا پر قدرتاً اس کی توقع ہونی چاہیے تھی۔ لیکن باوجود ادّعائے ہاشمیت لباس تسنن سے بلاوجہ اب تک متلبس رہنے کی شرم وندامت کو مٹانے اور عوام کو فریب دینے کے لئے وہ تقیہ پر تمسخر واستہزا کرتا ہے ÷

مسئلہ تقیہ پر بحث کی تمہید

بغور دیکھا جائے تو مضوعی نقادی اور نکتہ سنجی کے پردہ میں اس کی تمام تلمیعات وتلبیسات کا گلِ سرسبد یہی مسئلہ تقیہ ہے جس پر دو ایک جگہ اعتراض کرنے پر بھی اسکا عارضہ وجع الفواد کسی طرح کم نہیں ہوتا بلکہ رہ رہ کر دہی قیامت کا دورہ بار بار اُٹھتا ہے اور اُسے کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا۔

لہٰذا ہم اس مہلک مرض کا ایک مجرب نسخہ اس مقام پر حوالہ قلم کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ ہمیشہ کیلئے عباسیت مآب کی اس علتِ دیرینہ کا کماحقہ ازالہ ہوجائے اور ساتھ ہی عوام کالانعام اس سحابِ ظلمت وضلالت سے نکلیں جو اس شیخ نجد نے اُن کے سروں پر محیط کر دیا ہے۔ تاریخ امروہہ کے صفحہ ۲۶۳ پر مصنف لکھتا ہے:۔

"اب غور طلب سوال یہ ہے کہ آیا یہ تمام حضرات تقیہ میں تھے؟ کیا یہ سب مشائخ کرام جو اپنے زمانہ حیات میں ہزارہا مسلمانوں کے مقتدا وپیشوا کیا یہ علمائے عظام، جو حنفی مسلک کے مقلد وپابند، کیا یہ سب قضاۃ ومفتیان کرام جو حکام شرع واصحاب افتا تھے مدۃ العمر اپنے معتقدات مذہبی کو چھپاتے اور مخفی رکھتے اور مخلوق خدا اور سلطنتِ اسلامی کو دھوکہ دیتے رہے؟ سوچنے کی بات ہے"

طبقاتِ ابن سعد سے حضرت عباسؓ کے تقیہ کا ثبوت

ہم اس غور طلب سوال

سے متعلق کتاب و سنت کے احکام و ہدایات پر نظر کرنے سے پہلے تعلیم یافتہ حضرات کی
توجہ کو اسطرف مبذول کرنا چاہتے ہین کہ وہ براہ کرم سب سے پہلے اس مدعی تحقیق سے اس
سوال کا جواب حاصل کرین کہ درآنحالیکہ معتبر اور مستند تواریخ اسلام سے یہ امر ثابت ہے
کہ ابولہب کے سوا تمام بنی ہاشم ابتدا ہی سے مسلمان تھے لیکن بعض اُن میں حضرت عباس رضؓ کی
طرح ایسے بھی تھے جو اپنی خاص مصلحتون کی بنا پر نیز کفار قریش کے خوف سے اپنے معتقدات مذہبی
کو چھپاتے اور اسلام کا اظہار نہ کرتے تھے جیسا کہ **طبقات ابن سعد** مین متعدد روایتین
ابو رافع اور عبداللہ بن عباسؓ سے اس واقعہ کی مثبت نظر آتی ہیں تو آیا مُدعی عباسیت
اپنے مورث اعلی جناب عباس کو بھی اپنے مذکورہ بالا طعن و اعتراض کا مورد بنا سکتا ہے جو ظاہراً
بالاتفاق اہل تاریخ جنگ بدر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور اگر نہیں تو کیوں جبکہ وہ اعتراض وارد ہے
کیا اس کے خیال مین جناب عباسؓ جیسے "جلیل القدر صحابی" عم رسول اور فضائل
و مناقب عالیہ کمالیہ کے حامل کے مقابلہ میں کسی عالم و فاضل اور قاضی و مفتی کی کچھ حقیقت ہے؛
کیا کوئی رازدار شریعت اور پیر طریقت معرفتِ الٰہی میں آپ کا ہمسر اور مثل و نظیر ہو سکتا ہے؟
پھر کیا اس کے اعتقاد میں جناب عباس کی بارہ تیرہ ۱۳ سال کی ممتد الزمان زندگی جو علی التسلسل
اخفائے اسلام اور اظہار کفر میں گذری، دھوکہ بازی اور دغا بازی کی زندگی تھی ؟
اگر فی الواقع اس کا یہ عقیدہ ہے تو وہ بتلائے کہ اس کے مورث اعلی نے اپنے مکر و فریب
کے ساتھ برکات اسلامی سے کیا فائدہ اٹھایا اور خدا کی مخلوق کو سالہا سال دھوکا دیکر اپنے
لئے کونسا سرمایۂ آخرت مہیا کیا ؟ اور اگر مصالح عدیدہ کی بنا پر جناب عباسؓ کا وہ طرز زندگی
عنداللہ مقبول تھا اور اخفائے اسلام کا زمانہ درحقیقت ان کی خالص اسلامی زندگی کا زمانہ
تھا تو بزرگانِ سادات کا اخفائے تشیع کسطرح ان کے ایمان و اخلاص کا قادح اور

سبب طعن و ملام ہو سکتا ہے؟

متکلمین اہل سنت خود معترف ہین کہ اکثر علماء و مشائخ ظاہر مین سُنی اور باطن مین شیعہ تھے

نہایت عجیب بات ہے کہ شیعون کی طرف سے جب حضرات اہل سنت کے مستند علمائے اعلام، مشائخ کرام اور صوفیائے عظام کے زرین کلمات و اقوال مذہب شیعہ کی حقانیت کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں تو ہم سے بڑی جسارت کے ساتھ بلا دلیل اور بے تکلف یہ کہدیا جاتا ہے کہ یہ سب حضرات ظاہر میں سُنی بنے ہوئے تھے مگر باطن میں شیعہ تھے اس لئے ہم اُن کے اقوال کو ماننے کے لئے تیار نہیں (ملاحظہ ہو کار داق مناظرہ سُنی و شیعہ لکھنؤ)

امام اہل سنت مولوی عبد الشکور کی طرف سے واقعہ مذکورہ کی تصدیق

معروف مشہور اخبار النجم کا ہنگامہ پسند اڈیٹر جس کو اشدّ الناس علی عترۃ النبیؐ ہونے کی جہت سے زمانۂ حاضرہ نے "امام اہل سنت" کے معزز لقب سے عزت بخشی ہے وہ اپنے بعض رسائل مین لکھتا ہے کہ شیعون کے مسئلہ تقیہ نے سنیون کو بہت سخت نقصان پہونچایا ان لوگون نے تقیہ کے لباس میں طرح طرح کے جتن کئے۔ یہ لوگ اہل سنت کے قاضی اور مفتی بنے، عالم شرع اور محدث کہلائے، صوفی اور پیر طریقت بنکر ہزاروں اور لاکھون سنیون کو اپنا مرید اور عقیدت مند بنا لیا اور اندر ہی اندر سُنی عقاید کو گھُن لگاتے رہے، فرقہ تفضیلیہ کا حدوث انہیں روافض کی مخفی تدابیر کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے"

امام اہل سنت کے فیصلہ نے مصنف تاریخ امروہہ کے کذب و افترا پر مُہر لگادی

اب اگر امام اہل سنت کا یہ بیان سچا ہے تو مصنف تاریخ امروہہ کی یہ ترکیب اس کے انتہائی دجل و فریب سے خبر دیتی ہے کہ باوجودیکہ اس کا امام اسے متنبہ کرتا ہے

کہ بزرگانِ شیعہ تقیہ کرکے قاضی اور مفتی اور پیر طریقت سب کچھ بنجاتے ہیں باایں ہمہ وہ اپنے مقتدا کی اس سچی بات کو مستبعد عقل ٹھیراتا ہے اور اس بات پر خواہ مخواہ مصر ہے کہ نہیں وہ تو پکے سُنی حنفی تھے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر شیعہ ہوتے تو عہدہ قضا و افتا و امامت اُنہیں کیسے مل جاتا۔ !!!

ہم اس کی اس کُھلی ہوئی عیاری کو کسی طرح سادہ لوحی پر محمول نہیں کرسکتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اقوال متناقضہ مذکورہ میں جس موقعہ پر جس کسی قول کی بنیاد پر تخدیع عوام کالانعام کا کام بآسانی چلتا ہوا نظر آتا ہے وہی قول بلطائف الحیل اُس موقع پر سچا مان لیا جاتا ہے اور اس کے مخالف قول کی تکذیب کردیجاتی ہے +

امام اہل سنت کے مذاق پر تقیہ والون کی چند مثالین

امام اہل سنت کے مذاق پر تقیہ والون کی بکثرت مثالین ہمکو متقدمین کی کتب و اسفار میں دُرافشان نظر آتی ہین لیکن ان کی تفصیل کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے تاہم چند امثلہ ذیل کا ایراد مصنف کے مصنوعی تعجب کو واقعی عبرت و نصیحت سے تبدیل کرنے مین بڑی حد تک ممد و معاون ہوسکتا ہے مثلاً۔

(۱) محدث اجل عبد الرزاق بن ہمام کے ذکر میں لکھا ہے کہ فی الجملہ تشیع داشت (بستان المحدثین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی)، یا یہ کہ "نسبوہ الی التشیع" یعنی علما نے عبد الرزاق کو تشیع کی جانب منسوب کیا ہے (میزان الاعتدال ذہبی)

(۲) ابو عبد اللہ حاکم محدث نیشاپوری کے حال مین لکھا ہے "کان یمیل الی التشیع" یعنی حاکم کا میلان تشیع کی طرف تھا (تذکرۃ الحفاظ ذہبی و بستان المحدثین شاہ عبد العزیز صاحب)

(۳) امام نسائی کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ "کان یتشیع" یعنی امام نسائی میں تشیع تھا۔

(وفیات الاعیان ابن خلکان و مراۃ الجنان یافعی)

(۴) عدی بن ثابت انصاری تابعی کے ترجمے میں لکھا ہے "کان یغلو فی التشیع" یعنی عدی بن ثابت تشیع میں غلو کرتے تھے یا غالی شیعہ تھے (مقدمہ فتح الباری علامہ ابن حجر عسقلانی)

(۵) حارث بن عبد اللہ تابعی کے ذکر میں منقول ہے کہ "کان من شیعۃ امیر المومنین علی" یعنی حارث امیر المومنین علیؑ کے شیعہ تھے (تاریخ الرسل والملوک ابن جریر طبری)

(۶) یحیی ابن یعمر تابعی کے حال میں مذکور ہے کہ "کان شیعیا من شیعۃ الاولی یعنی یحیی شیعہ تھے شیعۂ اول میں سے (وفیات الاعیان ابن خلکان)

(۷) حجر بن عدی صحابی رسول کے حال میں لکھا ہے کہ "تابعہ جماعۃ من شیعۃ علی رضی اللہ عنہ یعنی شیعیان علی کی ایک جماعت نے حجر بن عدی کا اتباع کیا ہے (اسد الغابہ ابن اثیر جزری)

(۸) عمرو بن الحمق صحابی رسول کی نسبت منقول ہے "ثم صار من شیعۃ علی رضی اللہ عنہ" یعنی عمرو بن الحمق شیعیان علی سے قرار پائے (استیعاب علامہ ابن عبد البر

(۹) ابو الطفیل عامر بن واثلہ صحابی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ "کان متشیعا فی علی رضی اللہ عنہ" وکان من محبی امیر المومنین علی رضوان اللہ علیہ ومن شیعتہ" یعنی ابو الطفیل، علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت تشیع رکھتے تھے اور علی کے دوستداروں اور شیعوں میں سے تھے (استیعاب ابن عبد البر و اسنی المطالب جزری صاحب حصن حصین)

(۱۰) مامون الرشید عباسی کے تذکرہ میں لکھا ہے "کان معروفا بالتشیع وقد حملہ

ذالك علی خلع اخیه المؤتمن والعهد بالخلافة الی علی الرضا" وفی سنة احدی و مائتین خلع اخاه المؤتمن من العهد وجعل ولی العهد من بعدہٖ علیا الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق وحمله علی ذلك افراطه فی التشیع"۔

یعنی مامون تشیع کے ساتھ مشہور و معروف تھا اور اسی شیعیت کی وجہ سے اوسنے اپنے بھائی موتمن کو ولیعہدی سے معزول کر کے علی رضا کو ولیعہد خلافت قرار دیا" اور سنہ ۲۰۱ ہجری مین مامون نے اپنے بھائی موتمن کو ولیعہدی سے معزول کر کے علی رضا بن موسی کاظم بن جعفر صادق کو ولیعہد خلافت بنایا اور اس فعل پر مامون کو اُس کے افراط شیعیت نے برانگیختہ کیا تھا (تاریخ الخلفا علامہ جلال الدین سیوطی)

ساداتِ رضویہ کے مورثِ اعلیٰ کا مذہب شیعہ تھا بلکہ وہ مذہبِ شیعہ کے پیشوا اور مجدّد تھے

ان عبارات سے جہان مامون رشید خلیفہ عباسی کا شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے وہان اس امر پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے کہ خود امام اہل بیت علی بن موسی الرضا جو سادات رضویہ کے جدا علی ہین وہ بھی درحقیقت شیعہ بلکہ مذہب شیعہ کے پیشوا تھے ورنہ مامون کا ان کی طرف میلان علمائے اسلام کے نزدیک اُس کے شیعہ ہونیکی دلیل نہ ٹھیرایا جاتا۔ اس کے علاوہ دیگر شواہد عاولہ بھی اس امر کی پرزور تائید کرتے ہین مثلاً

علامہ ذہبی نے لکھاہے کہ وھو من الاثنا عشر الذین تعتقد الرافضة عصمتھم و وجوب طاعتھم" یعنی علی الرضا انہیں بارہ اماموں مین سے ہیں جن کے معصوم اور مفترض الطاعت ہونے کے روافض معتقد مین (تاریخ دول الاسلام ذہبی)

اور قاضی ابن خلکان نے لکھاہے کہ:۔

وھو احد الائمة الاثنا عشر علی اعتقاد الامامیة" یعنی حسب اعتقاد امامیہ

حضرت رضاؑ ایک امام ہیں ائمہ اثنا عشر میں سے (تاریخ ابن خلکان المسمی بوفیات الاعیان) اور محدث ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ:۔

والیہ انتہت امامۃ الشیعۃ فی زمانہ یعنی حضرت رضا کے زمانے میں مذہب شیعہ کی امامت حضرت رضا پر منتہی ہوئی۔ (جامع الاصول لاحادیث الرسول) اور علامہ محمد مبین لکھنوی فرنگی محلی نے اپنی کتاب وسیلۃ النجاۃ میں لکھا ہے کہ:۔

"ابن اثیر در شرح کتاب نبوۃ از جامع الاصول گفتہ کہ مجدد مذہب امامیہ بر سر مائۃ ثانیہ علی بن موسی الرضا بود۔"

یہ ایک نہایت مختصر فہرست اُن بزرگانِ دین کی ہے جن کے شیعہ امامیہ ہونے کی گواہی خود علمائے اہل سنت نے دی ہے:۔

تابعین اور تبع تابعین میں کثرت کے ساتھ شیعوں کا وجود

علامہ ذہبی جو فن حدیث میں حامل لواء صناعۃ مشہور و معروف ہیں اپنی کتاب میزان الاعتدال میں ابان بن تغلب شیعی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"انّ البدعۃ علی ضربین فبدعۃ صغری کغلو التشیع او کالتشیع بلا غلو فلاتحرق فھذا الکثر فی التابعین و تابعیھم مع الدین والورع والصدق فلو ردّ حدیث ھؤلاء لذھب جملۃ من الاٰثار النبویۃ وھذا مفسدۃ بینۃ"	بدعت کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم بدعتِ صغریٰ کی ہے مثلاً غالی شیعہ ہونا یا بغیر غلو کے شیعہ ہونا یہ نا ملائم نہیں ہے کیونکہ ایسے مذہب کے لوگ تابعین اور تبع تابعین کی جماعت میں کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور باایں ہمہ وہ لوگ متدین، پرہیزگار اور صادق اللہجہ رہے ہیں۔ اب اگر محض اُن کے شیعہ ہونیکی وجہ سے ان کی مرویہ حدیثوں کو رد کر دیا جائے تو یقیناً تمام آثار

تو یہ ہمارے ہاتھوں سے جاتے رہینگے اور دین اسلام میں ایک بڑا فساد رونما ہوگا۔"

اور علامہ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی مین بضمن تنبیہات لکھتے ہین :-

وقد صرح بذلك الذهبي في الميزان فقال البدعة على ضربين صغرى كالتشيع بلا غلو او بغلو من تكلم في حق من حارب عليًا فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدق فلو رد هؤلاء لذهب جملة من الآثار

علامہ ذہبی نے میزان مین اس مطلب کی کافی صراحت کی ہے جیسا کہ انہون نے بیان کیا ہے کہ بدعت دو قسم کی ہے ایک تو یہ کہ تشیع میں غلو نہ کیا جائے دوسرے یہ کہ تشیع میں اس شخص کی طرح غلو کیا جائے جو علی کرم اللہ وجہ سے جنگ کرنے والون کے حق میں معترضانہ کلام کرتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والون کی تعداد تابعین اور تبع تابعین کے گروہ میں بہت زیادہ ہے اور باوجود اسبات کے وہ لوگ تدین اور پرہیزگاری اور صداقت سے متصف ہین لہذا اگر ایسے لوگون کو مجروح و مقدوح قرار دیدیا جائے تو یقیناً بہت سے آثار اسلامیہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

شیعون کی روایات پر آثار اسلامیہ کا مدار :-

اور شارح بزدوی نے سفیان ثوری اور ابن اسحٰق اور کلبی قدس اللہ اسرارہم کے تشیع اور اُنسے روایات اخذ کرنے کی معذرت مین لکھا ہے :-

لو رد حديث هؤلاء بطعن كل واحد انقطع الرواية واندرس

اگر ان حضرات شیعہ کی احادیث کو قبول نہ کیا جائے اور ہر ایک پر طعن کی جائے تو اسلامی روایات کا سلسلہ ہی منقطع

الاخبار

ہوجائیگا اور احادیث کا میدان بالکل خالی نظر آئیگا۔"

علمائے فن رجال کی تحقیق کے مطابق بزرگانِ شیعہ کے مذہب سے متعلق عوام کی غلط فہمی

ہمارا مقصد اس حقیقت الامر کے پیش کرنیسے صرف اسقدر ہے کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور دیگر اکابرین مذکورین کے مذہب کے متعلق عام طور پر سواد اعظم کا یہی خیال رہا ہے اور اب تک وہ بکمال خوش اعتقادی اسی وہم و گمان میں مبتلا ہین کہ وہ حضرات مذہب اہل سنت کے معتقد تھے لیکن علمائے فن رجال نے جب انکے واقعات و حالات کی تفتیش کی تو انہیں کافی دلائل سے عوام کے خیالات غلط ثابت ہوئے یعنی یہ بات اُن پر بخوبی منکشف ہوگئی کہ اُن بزرگانِ دین کا مذہب درحقیقت شیعہ تھا لیکن زمانہ کے پرآشوب حالات اور مذہب شیعہ کے متعلق عوام کالانعام کے سخت نفرتی جذبات، خطرناک عزائم اور وحشیانہ تعصبات کی جہت سے وہ بکمال احتیاط و عاقبت اندیشی دشمنون سے اپنے مذہب کو چھپائے ہوئے تھے۔ انکے حکیمانہ خیالات اس امر کے مقتضی نہ تھے کہ نااہل پبلک کے سامنے وہ خواہ مخواہ بلا ضرورت اپنے عقائد کو باعلان و اظہار بیان کرتے اور عقل و حکمت کو بالائے طاق رکھکر بے دھڑک شیعہ فلاسفی کا درس اُن کے روبرو دینا شروع کر دیتے۔ لیکن جن سعید الفطرت لوگون کے دلون میں حق طلبی، خدا ترسی اور قبول حق کی صلاحیت تھی اور جو "الذین جاھدوا فینا" کے مصداق تھے وہ ہمیشہ ان حضرات کے برکات و ہدایات سے مستفیض اور فائز المرام ہوتے رہے۔ ایسے لوگون سے کبھی امر حق کو مخفی نہیں رکھا گیا ورنہ ظاہر ہے کہ آج دنیا میں لاکھون اور کرورون کی تعداد اس مذہب کے معتقدین کی ہرگز نہ پائی جاتی ×

بزرگان شیعہ کا طرز عمل شریعت کے مطابق تھا

غرضکہ بزرگانِ شیعہ کا مخصوص

مواقع پر اپنے عقائد کو عوام سے مخفی رکھنا ایک ایسا امر ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہی وہ طرز عمل ہے جسکو لسانِ شریعت مین تقیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہم اس مقام پر مختصراً یہ دکھانا چاہتے ہین کہ بزرگانِ شیعہ کا یہ طرز عمل شریعت محمدی کی رو سے ممنوع اور ناجائز نہ تھا۔ کتاب و سنت دونو مسئلہ تقیہ کے جواز و استحسان پر متفق ہیں بلکہ خود انبیاء و مرسلین نے اُن پر عمل کیا ہے۔"

مشروعیت تقیہ کی پہلی دلیل | خداوند عالم سورۂ مومن میں فرماتا ہے۔"

"وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ"

اور فرعون کے کنبے میں سے ایک مرد مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا یہ کہا کہ کیا تم ایک شخص کو صرف اتنی سی بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔"

آیۂ مذکورہ میں خدا نے جس "رجل" کی گفتگو کا خلاصہ نقل فرمایا ہے اس کے متعلق اسی آیت مین اس امر کی تصریح موجود ہے کہ وہ فرعون کے خاندان کی ایک فرد تھا جو درحقیقت فرعون کو اپنے اعتقاد مین مفتری اور کذاب جانتا اور خدا و رسول پر سچے دل سے ایمان رکھتا تھا لیکن اپنے اس ایمان و اعتقاد کو وہ دلمین چھپائے ہوئے تھا۔

الفاظ قرآنی "يَكْتُمُ إِيمَانَهُ" اس حقیقت پر کافی روشنی ڈالتے ہین کہ اس شخص کا طرز زندگی ایک ایسی نوعیت رکھتا تھا جس سے اس کے ظاہری افعال اور حرکات و سکنات کی رو سے آل فرعون اس کے مذہب سے متعلق یقیناً غلط فہمی میں مبتلا تھے اور وہ اسکو اپنی مثل ایک فرعون پرست آدمی سمجھتے تھے۔ بااینہمہ خدا نے اسکو اپنے کلام پاک مین مومن کی صفت سے یاد کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خود علام الغیوب جس کے ایمان کی تصدیق

کرے اس کے کمال معرفت و خداشناسی کا کون اندازہ کر سکتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ خدائی فیصلہ مین کسی خطا اور غلطی کا احتمال تجویز کر سکے ومن اصدق من اللہ قیلا یہی نہیں بلکہ مہبط وحیؐ کی زبانِ صداقت بیان پر اُس ایمان کے چھپانے والے کا جب ذکر آتا ہے تو اُس ربّانی الاصل فہرست کے ساتھ جسمین حقیقی صدیقین سے دنیا کو روشناس کرایا گیا ہے :-

تقیہ کرنیوالے مردِ مومن کو صدیق کا خطاب

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر مین روایت کرتے ہیں کہ جنابِ سرورِ کائناتؐ نے فرمایا :-

الصدّیقون ثلٰثۃ حبیب النجار ومومن اٰل فرعون حیث قال اتقتلون رجلاً یقول ربی اللہ والثالث علی بن ابیطالبؑ وھو افضلھم (اخرجہ البخاری عن ابن عباس و احمد عن ابی لیلیٰ)	صدیق تین ہی ہین ایک حبیب النجار دوسرے مومن آل فرعون جو کہتا تھا کہ کیا تم ایک شخص کو صرف اتنا کہنے پر کہ میرا پروردگار اللہ ہے قتل کئے ڈالتے ہو تیسرے علی بن ابی طالب جو ان سب سے افضل ہین :-

اب تاریخ امروہہ کا مصنف بتائے کہ اگر اپنے عقائد کو عوام سے مخفی رکھنا جو صاف و صریح تقیہ ہے اس کے نزدیک دھوکے بازی اور بیدینی ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ خدا و رسول کا مکذّب ہو کر "ما انزل اللہ" کے خلاف فیصلہ کرتا ہے :- وَمَن لَّمۡ یَحۡکُم بِمَآ اَنزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ۝

مشروعیت تقیہ کی دوسری دلیل

اس سے بڑھکر انبیاء و مرسلین کے زمرہ میں حضرت موسیٰؑ کا تقیہ خود علمائے اہل سنت نے ثابت کیا ہے جیسا کہ آیہ ذیل سے معلوم ہوگا :-

سورۂ شعرا مین خداتعالیٰ نے فرعون کی گفتگو کو جو اُسنے حضرت موسیٰؑ سے کی تھی ان الفاظ مین نقل فرمایا ہے :-

قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ الَّتِىۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝	فرعون نے کہا کیا ہم نے تجکو اپنے گہر میں بچہ سا نہیں پالا اور تو نے برسوں ہمارے پاس رہ کر بسر کی پہر بھی تو نے جو کچھ کیا وہ کیا اور تو احسان فراموش ثابت ہوا"

حضرت موسیٰؑ کا تقیہ ❊ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر بیضاوی شریف مین قول مذکور وانت من الکافرین کی تفسیر میں فرماتے ہین:-

فانه علیه السلام کان یعالیشهم بالتقیه	واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور آل فرعون کے ساتھ تقیہ کی حالت مین بسر کرتے تھے-

اور علامہ چلپی حاشیہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہین:-

ولم یذکر المصنف احتمال الافتراء علیه لبعده فان فرعون لو کان عالما بان موسیٰ علیه السلام یتدین لغیر دینهم لسجنه بل قتله"	مصنف نے حضرت موسیٰ پر بہتان بندی کے احتمال کو ذکر نہیں کیا اس لئے کہ ایسا احتمال بعید تھا - اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اگر فرعون کو اس واقعہ کا علم ہوتا کہ جناب موسیٰ اس کے دین و آئین کے برخلاف کسی دوسرے مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہین تو ضرور وہ اُنکو قید کر دیتا بلکہ قتل کر ڈالتا"

ہمارا مقصود اس بیان سے صرف اسقدر ہے کہ قاضی بیضاوی کی تحقیق کے مطابق

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام فرعون کی قوم میں سالہا سال تقیہ کی حالت میں بسر کرتے رہے۔ انہوں نے مدتوں اپنے دین و ایمان کو چھپایا اور کفار کے خوف سے اپنے عقائد کا اظہار نہیں کیا باانیہمہ نہ ان کے تدین و تقدس مین کچھ فرق آیا اور نہ اُن کی نبوت و رسالت

میں ہٹہ لگا۔ پھر کیا یہ صریح کفر و الحاد نہو گا کہ جو امر کہ بالاتفاق حضرات انبیائے کرام کی سنت سنیّہ اور سجیّہ مرضیہ مین داخل ہو اوس کی پیروی کرنیوالون کو دہوکے باز اور بے ایمان قرار دیا جائے ؟

مشروعیت تقیہ کی تیسری دلیل اسی طرح حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام کا تین موقعون پر تقیہ کرنا خود نصوص صریحہ قرآن کریم و حدیث سے ثابت ہے جس پر رواۃ اہل سنت نے اگرچہ تقیہ کا اطلاق نہیں کیا مگر اپنی خوش فہمی سے اوسکو کذب صریح سے تعبیر کیا ہے جس کے بعد "لاینال عہدی الظالمین" الایہ کی روشنی میں آپ کی عدالت و عصمت اور نبوت و امامت معاذاللہ بکلم ہباءً منثورا ہو جاتی ہے۔ بہرحال وہ تین مقامات جہان پر کہ حضرت ابراہیمؑ نے ظاہر اخلاف واقع امور ارشاد فرمائے ہین اور جو قرآن میں مذکور ہیں ان کی بابت حضرت ابوہریرہ سے روایت کی گئی ہے :-

تین موقعون پر حضرت ابراہیم کا تقیہ :

عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ ... وسلم لم یکذب ابراہیم الا ثلث کذبات۔ ثنتین منھن فی ذات اللہ قولہ انی سقیم و قولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا وقال بینا ھو ذات یوم و سارہ اذ اتی علی جبار من	آنحضرت صلعم نے فرمایا حضرت ابراہیم نے (بہت زیادہ) جھونٹ نہیں بولے کل تین جھونٹ بولے ہین جن میں سے دو جھونٹ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انہون نے فرمایا "میں بیمار ہوں (حالانکہ وہ بیمار نہ تھے) دوسرے انکا وہ قول ہے کہ "ان توں کو میں نے نہیں توڑا بلکہ اس بڑے بت نے توڑا ہے (حالانکہ حقیقتاً خود انہی نے توڑا تھا) تیسرا جھونٹ حضرت ابراہیم کا آنحضرت صلعم نے یہ

من الجبابرۃ فقیل لہ ان ھھنا رجلا معہ امراۃ من احسن الناس فارسل الیہ فسئلہ عنھا من ھذہ قال اختی الخ (مشکوۃ شریف)

بتایا کہ ایک دن ابراہیم اور سارہ ایک ظالم اور جابر بادشاہ کے ملک میں آئے تو لوگوں نے اس جبار کو اطلاع دی کہ ایک شخص یہاں آیا ہوا ہے اور اُس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت ہے۔ یہ سنکر اُس جبار نے حضرت ابراہیم کو اپنے پاس بلایا اور آپ کی زوجہ حضرت سارہ کی بابت پوچھا کہ یہ کون عورت ہے۔ حضرت ابراہیم نے جواب میں کہا کہ یہ میری بہن ہے"

ہم جانتے ہیں کہ ہمارا ضدی اور ہٹ دھرم مخاطب تعصب و عناد کی وجہ سے ہرگز اس بات پر راضی نہ ہوگا کہ جناب ابراہیمؑ کے مذکورہ کلمات کو تقیہ سے تعبیر کرے بلکہ وہ حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق جھوٹ ہی کا وظیفہ پڑھتا رہے گا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ جھوٹ کے جرم کو ہلکا کرنے کے لئے وہ یہ تجویز کرے کہ ہم ان موقعوں پر حقیقی جھوٹ مراد نہ لینگے اور ظواہر الفاظ سے عدول کرینگے حالانکہ اہل سنت کی کتب عقاید میں یہ طے پاچکا ہے کہ ظواہر آیات و احادیث سے تجاوز کسی طرح جایز نہیں ::

حضرت ابراہیم کے کلمات کی کوئی تاویل تقیہ کے ثبوت سے خالی نہیں ہو سکتی

لیکن بہرحال کسی طرح کی تاویل کی جائے اور کیسی ہی خوشنما تشریح کیوں نہ قرار دیجائے' اس نہایت واضح اور بدیہی نتیجہ سے کسی صورت میں مفر نہیں ہو سکتا کہ جناب ابراہیم نے تینوں موقعوں پر بلاشبہ ایسے کلمات استعمال فرمائے جن سے خدا کی مخلوق نے دھوکا کھایا۔ اسی کے ساتھ اس واقعہ سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دھوکا الفاظ کے ہیر پھیر میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے مخاطبین کو بالقصد دیا گیا تھا اگرچہ مصالح عدیدہ

اس کی تہ میں مخفی ہوں لیکن بہر حال مقصد حضرت ابراہیم کا یقیناً یہ تھا کہ حقیقت الامر کیطرف سے مخاطبین کی آنکھوں پر پردہ پڑا رہے اور واقعہ کی اصلیت ان پر ظاہر نہ ہو بلاشبہ یہی وہ طریق عمل ہے جس پر لسانِ شریعت میں تقیہ کا اطلاق کیا گیا ہے اسکے سوا تقیہ کی کوئی اونیلی پیلی صورت نہیں ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعوں پر بزرگان سادات نے اسی سنت ابراہیمی پر عمل کیا ہے اور لاریب اُس سے انکار وہی کرسکتا ہے جو پورا احمق ہو جیسا کہ خدا فرماتا ہے: قل من یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه ۔:

مشروعیت تقیہ کی چوتھی دلیل

اب خاص مذہب اسلام میں تقیہ کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر قابل ملاحظہ ہیں:۔

ازانجملہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے جس نے خود پیغمبر اسلام کا تقیہ تمام دنیا کو بخوبی محسوس و مشاہد کرادیا ہے۔ باوجود شوکت و قوت اسلام اور اجتماع اعوان و انصار کے پادشاہ دین و دنیا کا اپنے مخالفین و معاندین سے ایک ایسے کمزور طریقہ سے صلح کرنا جس سے کفار کو غلبہ اور قوت حاصل ہو اور مسلمانوں کی جماعت ان کے مقابلہ میں خاک مذلت پر سوگ نشین ہو جائے حتیٰ کہ اس واقعہ کی بدولت بڑے بڑے غازیان اسلام کی جماعت میں صف ماتم بچھ جائے، وہ سرخیل اور قدوۂ صحابہ کبار جن کے سایہ سے شیطان بھاگتا تھا، اسی صلح کے نتیجہ میں شیطانی وساوس میں مبتلا ہو جائیں،[1] وہ نکتہ

---

[1] تاریخ روضۃ الصفا میں ہے:۔

درخاطر بعضے از اہل اسلام شیطانِ رجیم شبہات انداخت کہ مناسب صدق ایقان ایشان نبود چنانچہ از فاروق مروی ست کہ گفت دران روز امرے عظیم درخاطر من خطور کردہ و نزد رسول رفتم و گفتم کہ نہ تو پیغمبر برحقی؟ گفت بلے گفتم نہ ما برحقیم و دشمنان باطل؟ فرمود بلے۔ پس گفتم

شناس اور بلند حوصلہ عارفانِ حقیقت جو "الحق ینطق علیٰ لسانہ" کے مصداق تھے اسی
صلح کی وجہ سے پیغمبر اسلام کی نبوت میں اپنے شکوک و شبہات کا مظاہرہ کریں، ایسے
افسوسناک اور ظاہراً مایوس کن نتائج کے ساتھ اس صلح کا واقع ہونا اگر تقیہ کی بیّن مثال نہیں
تو کیا ہے؟ پھر صلح بھی وہ صلح جس کے شرائط میں یہ داخل ہو کہ اگر مخالفین کے گروہ کا کوئی
شخص دائرہ اسلام میں آکر پناہ لے تو اوسکو مخالفین کے سپرد کر دیا جائے لیکن اگر کوئی
مسلمان کفار کے قبضہ میں آجائے تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہو کہ وہ اس کا مطالبہ کر سکیں کفا

(بقیہ صفحہ ۸۳) چرا این خست وحقارت ومنقصت و مذلت قبول میکنیم وصلحے برین نہج نمودہ مراجعت می نمائیم
فرمود کہ من رسولِ خدا ایم واو مرا ضائع نخواہد گذاشت۔ عمر گوید گفتم یا رسول اللہ نہ مرا وعدہ فرمودی
کہ زود باشد کہ بمکہ رویم و طواف خانہ کعبہ بجا آریم؟ فرمود آرے ولیکن ہیچ نہ گفتم کہ امسال
واقع شود۔ گفت نہ آنگاہ فرمود اے عمر غم مخور کہ تو بزیارت کعبہ رفتہ طواف خواہی نمود۔
فاروق گفت ہمچنان حزین واندوہناک از مجلس رسول اللہ بیرون آمدم ونزد ابوبکر رفتہ حکایت گذشتہ
را باوے درمیان نہادم واو وے ہمان جواب شنیدم کہ از رسول اللہ شنیدہ بودم۔ وبقولے
صدیق درجواب فاروق اعظم گفت کہ او فرستادہ خدا است ہرچہ کند بوحی کند و مصلحت دران بود۔ دست
از رکاب او باز مدار و برکردہ وگفتۂ او اعتراض مکن۔ گویند کہ ابوعبیدہ جراح با عمر گفت کہ یا عمر محمد
رسول خدا است ہرچہ کند بصدق وصواب مقرون باشد۔ اے عمر از مکائد شیطان پناہ بخدا گیر و نفس
خود را متہم ساز۔ فاروق گفت کہ روزگار برین گذشت کہ از اعتراض بامسید ابرار صلوات اللہ علیہ
مادام الفلک الدوار استغفار میکردم و بر اعمال حسنہ مثل صوم وصلوٰۃ وتصدق و اعتاق اقدام می نمودم
تا باشد کہ آنہا سبب کفارہ جرارت من گردد"

(ھکذا فی روضۃ الاحباب لعلامہ جمال الدین المحدث)

اس کو کسی صورت میں واپس نہ کریں گے۔

صلح حدیبیہ کے قابل غور واقعات

اس صلح کے یہ واقعات بھی خاص طور سے قابل غور ہیں کہ جب صلحنامہ قلمبند کیا گیا تو کفار کی خواہش کے بموجب بجائے بسم اللہ کی بجائے بسمک اللّٰھم لکھا گیا۔ آنحضرت صلعم کے اسم مبارک کے ساتھ مسودہ صلح مین لفظ رسول اللہ کے اضافہ پر کفار نے انکار کیا آنحضرت صلعم نے خود اپنے دست مبارک سے اُسے محو فرما دیا۔

ابو جندل صحابی کا عبرت خیز معاملہ

اسی سلسلہ میں جب ایک شخص ابو جندل کا معاملہ پیش ہوا جو مسلمان ہو چکا تھا اور اس نے اہل اسلام کے روبرو استغاثہ کیا کہ اسکو کفار کے ساتھ رہنا منظور نہیں ہے مسلمان اُس کی دستگیری کرین اور اپنے سایہ عاطفت مین اُسے جگہ دین، تو جناب سرور کائنات نے شرائط صلح کی پابندی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسکو کفار کے حوالہ کر دیا۔ ابو جندل نے بہت کچھ الحاح وزاری کی کہ اے گروہ مسلمین میں ان کفار و مشرکین کی طرف واپس کیا جاتا ہون حالانکہ میں مسلمان ہون۔ کیا تم نہین دیکھتے کہ قبول اسلام کی بدولت ان دشمنان دین کے ہاتھون میں نے کسقدر سخت مصیبتین اور ایذائین اٹھائی ہیں، ابن اسحٰق کہتا ہے کہ ابوجندل کی اس فریاد پر جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ:۔

اصبر واحتسب فانا لانغدر وان اللہ جاعل لک فرجاً و مخرجاً۔	اے ابو جندل صبر کر اور خاموش رہ کہ ہم تیری خواہش کو پورا کرنے کی فی الحال قدرت نہیں رکھتے لیکن تجھے یقین کرنا چاہئے کہ خدا تیری آسائش اور آرام کے اسباب جلد مہیا کرے گا۔

یہ تمام واقعات اہل سنت کی معتبر کتابون میں بالتفصیل مذکور و مسطور ہیں (ملاحظہ مواہب لدنیہ احمد قسطلانی و شرح مشکوۃ ملّا علی قاری و صحیح بخاری وغیرہا)

اس واقعہ سے صریحاً ظاہر ہوتا ہے کہ باوجودیکہ جناب رسالتماب صلعم بالاتفاق اشجع الناس تھے، علوم اولین وآخرین کے حامل اور حافظ تھے۔ انگشتری سلیمانؑ اور عصائے موسیٰ بھی آپ کے پاس تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ فرشتوں کے بے تعداد لشکر کو رب الافواج نے آپ کے تابع فرمان کردیا تھا (وایدہ بجنود لم تروھا) باانیہمہ کفار اشرار کے غلبہ کی وجہ سے آپ بحسب ظاہر اس درجہ مجبور ومعذور تھے کہ اپنے ایک مخلص اور جان نثار صحابی کی کچھ بھی نصرت وحمایت نہ کرسکے اور دشمنان دین کی ہر ایک جا اور بیجا ہٹ کو پورا ہونے دیا اور اُن کی بات کو تسلیم کیا۔ اب یہ طرز عمل شریعت کی رو سے اگر تقیہ نہیں تو کیا ہے؟

واقعہ مذکورہ کی تاویل میں خود علمائے اہل سنت نے تقیہ کے جواز کو ثابت کیا ہے

اس واقعہ کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:-

قال الخطابی تاول العلماء ما وقع فی قصة ابی جندل علی وجھین احدھما ان اللہ قد اباح التقیہ للمسلم اذا خاف الھلاک ورخص له ان یتکلم بالکفر مع اضمار الایمان ان لم یمکنه التوریة فلم یکن ردہ الیھم اسلاما لابی جندل الی الھلاک مع وجود السبیل الی الخلاص من الموت

خطابی کہتے ہیں کہ علماء کی جانب سے اس قصہ کی تاویل میں دو وجوہات پیش کی گئی ہیں۔ ایک اُنمیں سے یہ ہے کہ خداوندعالم نے مسلمانوں کے لئے تقیہ کو مباح کیا ہے جبکہ خوف ہلاکت کا ہو اور اگر توریہ کی (جو درحقیقت تقیہ کی ایک نوع ہے) کوئی صورت ممکن نہ ہو تو دل میں ایمان کو چھپانے اور زبان پر کلمات کفر جاری کرنے کی اجازت دی ہے لہذا آنحضرت صلعم کا ابوجندل صحابی کو کفار کے طرف واپس کردینا اُس کی ہلاکت کا سبب متصور نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ہلاکت سے اُسکا محفوظ رہنا تقیہ کیوجہ

بالتقیه والوجه الثانی انما ردہ الی ابیه والغالب ان اباہ لا یبلغ به الی الهلاك وان عذبه وسجنه فله مندوحة بالتقیه

سے ممکن تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ابوجندل کو اس کے باپ (سہیل بن عمر) کے حوالہ کیا تھا (جو اگرچہ کافر تھا) لیکن غالباً اُس سے اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو ہلاک کر دے گا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی یقینی تھا کہ اگر اُسنے اپنے بیٹے کے ساتھ انتہائی تشدّد کا برتاؤ کیا اور سزائے قید اس کے لئے تجویز کی تو ان مصائب سے محفوظ رہنے کے لئے تقیہ کی راہ اُسکے لئے کشادہ تھی۔"

یہی مضمون بجنسہ ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ مین اور احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ مین خطابی سے نقل فرمایا ہے۔

اس واقعہ سے مذہب اسلام میں جہان تقیہ کا نہایت واضح اور روشن اور ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے وہان ایک آزاد محقق کو مصنف تاریخ امروہہ کے اس مہلک مرض کی جو شیعون کی جانب سے مسئلہ تقیہ کی یاد دلانے سے اُس کے دل و دماغ کو معطل کر دیتا ہے باسانی تشخیص ہوجاتی ہے یعنی یہ خبط وجنون کہ تقیہ کرنے والا شخص متدین اور مقدس انسان نہیں ہوسکتا دوسرے لفظون میں اُس "اِن ڈایرکٹ اسپیچ" کی شرح ہے کہ تقیہ کرکے حدیبیہ کے میدان مین کفار سے صلح کرنے والا شخص خدا کا سچا نبی نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ "الیس بنی اللہ حقا" اور "ما شککت منذ اسلمت الا یومئذٍ" کی آواز بازگشت اوسے پریشان اور مبہوت کرتی ہے اور یہی وہ مخفی علامت ہے جو سُنّیت اور موروثی جراثیم نفاق وشقاق کا مشاہدہ کراکر ایک طبیب حاذق پر اُس کے مرض کے اصلی سبب وعلت کو کماحقہٗ منکشف کر دیتی ہے۔

مشروعیت تقیہ کی پانچوین دلیل

اصل یہ ہے کہ جناب سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی مطہر زندگی تقیہ کا پورا ثبوت دیتی ہے:۔

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر کی آٹھوین جلد میں قل یا ایّھا الکافرون کی تفسیر مین لکھتے ہیں :۔

والحادی عشر کانہ تعالی یقول کانت التقیۃ جائزۃ عند الخوف اما الآن لما قوینا قلبك بقولنا انا اعطیناك الکوثر وبقولنا ان شانئك ھو الابتر فلا تبال بھم ولا تلتفت الیھم قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون"

گیارھوین وجہ یہ ہے کہ گویا خداوند عالم یہ فرماتا ہے کہ جب تک تم خوف کی حالت مین رہے تم پر تقیہ جائز تھا لیکن اب جبکہ ہم نے اپنے اس بیان سے کہ کوثر تمہین عطا کر دیا گیا اور اس قول سے کہ تمہارا دشمن تباہ و برباد ہو کر رہے گا، تمہارے دلکو ہر طرح مضبوط اور قوی کر دیا تو تمہیں کوئی ضرورت باقی نہ رہی کہ تم ان کی کچھ پروا کرو اور ان کی طرف ملتفت رہو تمہین اب صاف کہدینا چاہئے کہ اے خدا سے انحراف کرنے والو مین اس چیز کی ہرگز عبادت نہیں کرنا جس کی پوجا پاٹ مین تم مصروف ہو"

سردار دو عالم کا تقیہ

علامہ رازی کی اس تصریح سے بداہتاً معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم کی مقدس زندگی کا ابتدائی حصہ تقیہ کی حالت مین گزرا اور جب تک آپ کو اپنے دشمنون سے مدافعت کے لئے کافی طاقت حاصل نہ ہو گئی آپ تقیہ پر کاربند رہے۔ اس تقریر سے صریحاً مستفاد ہوتا ہے کہ بلا شبہ خوف کی حالت میں تقیہ جایز ہے اور جبکہ خود رسول کریم کا عمل اس پر ثابت ہوا تو اوس کا سُنتِ نبوی ہونا محتاج بیان نہ رہا۔

اب یہ امر قابل غور ہے کہ جبکہ از روئے شریعتِ بیضا تقیہ کا سبب یا علت "خوف" قرار

پائی اور یہ امر بلا اختلاف تمام عقلا کے نزدیک مسلم ہے کہ معلول و مسبب' دوام سبب و علت سے دائم الثبوت ہوتا ہے یعنی جب کبھی سبب و علت پائی جائے' معلول و مسبب ضرور پایا جائے گا لہذا یہ امر قطعی ہے کہ خوف کی حالت جو تقیہ کا سبب و علت ہے جس زمانہ میں اور جس شخص کے لئے متحقق ہو جائے تقیہ اس پر بلاشبہ جایز ہو جائے گا وہو المدعا۔

اس تقدیر پر جبکہ خود سردار دوعالم کا تقیہ پر کاربند ہونا ثابت ہوا اور بااینہمہ آپ کی علو مرتبت اور سموئے منزلت اور تقوی و طہارت و تقدس حتی کہ رسالت الٰہیہ میں کچھ فرق نہ آیا تو آپ کی اولاد امجاد نے آپ ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے "ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے مطابق اگر اسی قسم کے خوف کی حالتون میں فتنہ و فساد سے محفوظ رہنے کے لئے تقیہ پر عمل کیا ہو تو کیا تعجب ہے اور کیون ان کی سیادت و بزرگی اور دینداری محل کلام ہو سکتی ہے۔ کیا مصنف تاریخ امروہہ کے نزدیک وہ "قدس اللہ اسرارہم" جن کی طرف تقیہ کا انتساب وہ بعید از عقل بتاتا ہے' انبیأ و مرسلین سے بھی زیادہ پابند شریعت اور متقی و پرہیزگار تھے یا ہو سکتے تھے ؟ استغفر اللہ کسقدر احمقانہ خیال ہے جو یہ بلید غبی جاہلون مین پھیلانا چاہتا ہے !!

مشروعیت تقیہ کی چھٹی دلیل

انبیاء و مرسلین سے گذر کر دوسرا مقدس طبقہ عامہ مسلمین کے نزدیک صحابہ کرام کا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناصبی صحابہ کرام سے بھی منحرف ہے اور ان کے تدین و تقدس میں اُسے کلام ہے بلکہ خود قرآن کریم پر بھی اس کا ایمان نہیں ہے۔ جس شخص نے کبھی قرآن کو پڑھا ہے اور "لایجاوز حناجرہم" کا مصداق نہین ہوا وہ اس حقیقت سے ناواقف نہیں رہ سکتا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ صحابی جلیل القدر کا تقیہ کرنا خود کلام پاک سے ثابت ہے اور تقیہ بھی وہ تقیہ جس مین کلمہ

کفر کا اظہار زبان سے کیا جائے جو ایک انتہائی بات ہے۔

حضرت عمارؓ صحابی کے تقیہ پر قرآنی شہادت

خداوند عالم سورہ نحل میں فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥

اس کے سوا اور کوئی بات نہین ہو سکتی کہ جھوٹی باتون کا افترا وہی لوگ کرتے ہین جو اللہ کی آیتون پر ایمان نہ رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہین۔ جو شخص ایمان لانیکے بعد خدا کا انکار کر جائے باشتثنائے اُس شخص کے جسپر جبر کیا گیا ہو درآنحالیکہ اُس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ لیکن جو شخص واقعی دل سے کفر اختیار کرے پس ایسے ہی لوگون پر اللہ کا غضب ہے اور اُنہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے:۔

بحالت اکراہ تکلم بالکفر کی بابت شارع اسلام کا تاکیدی حکم

علامہ بغوی اپنی تفسیر **معالم التنزیل** مین اور قاضی بیضاوی اپنی تفسیر **بیضاوی شریف** مین اور دیگر مفسرین اور محدثین و مورخین اسلام بلا اختلاف اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہ جب کفار قریش نے حضرت عمارؓ کے والدین کو بکمال بے رحمی قتل کر ڈالا اور بعد ازان حضرت عمارؓ پر انتہائی جبر و تشدد کیا کہ وہ کلمات کفر اپنی زبان پر جاری کرین تو حضرت عمارؓ نے بجبر و اکراہ جناب رسالتمآب صلعم کی برائی اور اصنام قریش کی تعریف بیان کی اس پر لوگون نے آنحضرت صلعم کو خبر پہونچائی کہ عمارؓ کافر ہو گئے۔ آنحضرت صلعم نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ عمارؓ سرتاپا نور ایمان سے مملو ہے۔ حضرت عمارؓ جب آنحضرت صلعم کی خدمت مین روتے

ہوئے حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کی آنکھوں سے آنسو پوچھکر ارشاد فرمایا کہ:

مالك ان عادوالك فعد لهم بما قلت

"تم کچھ پروانہ کرو۔ اگر وہ لوگ پھر کسی موقع پر تمہیں اسی طرح مجبور کرین تو تمہیں پھر اُن الفاظ کا اعادہ کر دینا چاہیئے جو پہلے کہہ چکے ہو" اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا مقصود یہ ہے کہ جس شخص کا دل ایمان سے مطمئن ہو وہ اگر جبر و اکراہ کے ساتھ اظہار کفر پر مجبور کیا جائے تو ایسے عمل سے اس کے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوسکتا۔

قاضی بیضاوی کا اعتراف

قاضی بیضاوی قدس سرہ اس واقعہ کو بیان کرکے تحریر فرماتے ہیں:

"وهو دليل على جواز التكلم بالكفر عند الاكراه"

یعنی یہ واقعہ اسبات پر دلیل ہے کہ اکراہ کی حالت مین کلمہ کفر زبان پر جاری کر دینا جایز ہے:

قیا صاحب تاریخ امرؤها ومن وافقك ان لكم تومنوا بهذ الحديث

فباىّ حديث بعد الله واياته تومنون

مشروعیت تقیہ کی ساتوین دلیل

حقیقت یہ ہے کہ تقیہ کے جواز و استحسان اور بعض اوقات میں اس کے وجوب پر محققین علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے حتیٰ کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو ہندوستان کے مختلف الخیال فرق سینہ مین بالاتفاق محدّث اجلّ اور فقیہ اور ارباب طریقت اور بہت بڑے پیر و مرشد ہونے کے علاوہ امام المتکلمین اور صاحب توت قدسیہ تسلیم کئے گئے ہین وہ اپنی مشہور اور مقبولۂ خاص و عام کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے گیارہوین

باب مین فرماتے ہین :-

تقیہ کے متعلق مولانا شاہ عبدالعزیز محدث کا عقیدہ مع دلیل

"باید دانست کہ تقیہ در اصل مشروع است بدلیل آیات قرآنی قولہ تعالیٰ لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئ الا ان تتقوا منہم تقتہ وقولہ تعالیٰ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان الی غیر ذالک من الایات وتعریف تقیہ آنست کہ محافظت نفس یا عرض یا مال از شر اعدا نماید وعدو دو قسم است اول آنکہ عداوت او مبنی بر اختلاف دین وملت باشد چنانچہ کافر ومسلم دوم آنکہ عداوت او مبنی بر اغراض دنیوی باشد مانند ملک مال وزن ومتاع پس تقیہ نیز بر دو قسم شد"

اس کتاب تحفہ اثناعشریہ کا اردو ترجمہ جو **آئینۂ مذاہب امامیہ** کے نام سے شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب لاہور کی طرف سے چھاپا گیا ہے اُس مین عبارتِ مذکور کا ترجمہ حسب ذیل الفاظ مین کیا گیا ہے :-

"واضح رہے کہ تقیہ در اصل آیاتِ قرآنی کی دلیل سے مشروع ہے۔ ارشاد الٰہی ہے لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دُون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ الا ان تتقوا منہم تقتاہ یعنی مسلمان سوائے مسلمانون کے کافرون کو دوست نہ بنائین جو یہ کام کرے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شمار مین نہیں مگر یہ کہ ان کے ہاتھ سے پناہ لین۔ ارشاد الٰہی ہے " الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان الیٰ غیر ذالک من ایات یعنی مگر وہ جو جبر کیا گیا ہو۔ اور اسکا دل

ایمان پر قائم ہو تقیہ کی تعریف یہ ہے کہ نفس عرض یا مال کی دشمن کی شرارت سے حفاظت کرے۔ دشمن دو قسم کے ہیں:۔

۱۔ جس کی عداوت دین و ملت کے اختلاف پر مبنی ہو مثلاً کافر و مسلم۔ ۲۔ جس کی عداوت دنیوی اغراض پر مبنی ہو۔ مثلاً ملک مال عورت اور متاع پس تقیہ بھی دو قسم کا ہوا"

مشروعیت تقیہ کی آٹھوین دلیل - آخر الذکر آیہ قرآنی جس کی طرف شاہ صاحب ممدوح نے حوالہ کیا ہے، بالاجمال اس کی شان نزول کا تذکرہ ابھی ناظرین کے پیش نظر ہو چکا ہے طالبین تحقیق کے لئے پہلی آیت کے متعلق ضروری تشریح کا ایراد غالباً اس موقع پر بے محل نہ ہوگا۔

آیہ تقیہ خداوند عالم سورہ آل عمران میں فرماتا ہے :۔

لَا یَتَّخِذِ المؤمنونَ الکافرینَ اولیاءَ مِنْ دُوْنِ المؤمنین ومن یفعل ذٰلِکَ فلیسَ مِنَ اللّٰہ فی شیٔ الّا اَنْ تتقوا منہم تقٰىۃ ط	مومنین کو کسی طرح مناسب نہین کہ اپنے برادران ایمانی کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست اور سر پرست بنائین اور جو شخص ایسا کرے گا اس سے اور خدا سے کچھ سروکار نہیں مگر اس صورت میں تم ایسا کر سکتے ہو جبکہ تم ان سے تقیہ کرو"

تقیہ کا انکار قرآن کا انکار ہے اس آیہ مبارکہ کا مقصود اصلی جو مستند اور جید علماء مفسرین اہل سنت نے اپنی کتب تفاسیر وغیرہ مین بیان کیا ہے اس کا قدر مشترک یہ ہے کہ یہ آیت تقیہ کے جواز پر ایک مستحکم دلیل ہے۔ معنوی وجوہ استدلال اور قرائنِ واضحہ کے علاوہ لفظ تقاۃ جو اس آیت مین وارد ہوا ہے اس کو سات مسلمہ قاریانِ قرآن کے منجملہ بعض قاریون نے صاف طور پر لفظ تقیہ پڑھا ہے جس کے

بعد تقیہ پر اعتراض کرنا گویا بغیر کسی حجاب کے علانیہ قرآنِ حکیم سے ہاتھا پائی کرنا اور الفاظ قرآنی کے ساتھ فٹ بال کی طرح مسلوک ہونا ہے۔ مفسرین نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ لفظ تقاۃ مصدر ہے جو تقیہ کا ہم معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے مستند علماء کے اقوال سے ثابت کیا ہے اور یہ تمام امور تفسیر دُرِّ منثور علامہ جلال الدین سیوطی اور تفسیر **انوار التنزیل** قاضی بیضاوی اور تفسیر **کشاف** علامہ زمخشری اور تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی اور دیگر تفاسیر معتبرہ میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور و مسطور پائے جاتے ہیں۔

تقیہ اور صحیح بخاری

حضرت محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری کی کتاب الاکراہ میں فرماتے ہیں:-

وقال اللہ تعالیٰ الا ان تتقوا منہم تقاۃ وھی تقیہ وقال الحسن التقیۃ الی یوم القیمۃ	لفظ تقاۃ بمعنی تقیہ ہے اور حسن بصریؒ کا قول ہے کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے۔

اور **فتح الباری** شرح صحیح بخاری میں ہے:-

وعن الحسن البصری قال التقیۃ جائزۃ للمومنین الی یوم القیمۃ	اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایمان والوں کے لئے تقیہ قیامت تک جایز ہے۔

تقیہ کے متعلق علامہ سیوطی کی تصریحات

اور تفسیر دُرِّ منثور علامہ سیوطیؒ میں ہے:-

عن ابی العالیہ فی الآیۃ قال التقیۃ باللسان ولیس بالعمل. واخرج عبد بن حمید عن الحسن قال التقیۃ جائزۃ الی یوم القیمۃ واخرج عبد عن ابی رجاء انہ کان	ابو العالیہ کہتے ہیں تقیہ زبان سے ہے نہ عمل سے امام حسن بصری کا قول ہے کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے ابی رجاء آیہ مذکور میں لفظ تقیہ پڑھتے تھے قتادہ بھی آیت کی تلاوت اسی طرح کرتے تھے الا ان

يقرء الا ان تتقوا منهم تقيه واخرج عبد بن حميد
عن قتادہ انه كان يقرؤها الا ان تتقوا منهم تقية

تتقوا منہم تقیہ

آیۂ تقیہ کے متعلق مفسر طبری کی توجیہ

اور تفسیر طبری میں ہے :-

فالتقية التي ذكرها الله فی هذه الايه
انما هی تقية من الكفار لا من
غيرهم"

پس وہ تقیہ جسکا ذکر خدائے تعالیٰ نے اس آیت مین فرمایا
ہے اس کا حکم محض کفار سے ہے نہ اُن لوگون سے جو
کافر نہیں ہیں ۔

تقیہ کے ثبوت مین امام رازی کے دلائل ،

اور امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۂ مذکورہ
بعد ذکر "واعلم ان نظیر هذه الاية قوله تعالیٰ الا
من اکره الایه فرماتے ہین :-

الحكم الرابع التقية جايزة لصون النفس
وهل يجوز لصون المال يحتمل
ان يكون الحكم فيها بالجواز لقوله
حرمة مال المسلم كحرمة دمه
ولقوله من قتل دون ماله
فهو شهيد ولان الحاجة
الى المال شديدة والماء
ان بيع بالثمن سقط فرض
الوضوء وجاز الاقتصار
على التيمم دفعا لذلك القدر

چوتھا امر یہ ہے کہ جان کی حفاظت کے لئے تقیہ جایز ہے
رہی یہ بات کہ آیا اُس کا جواز مال کی حفاظت کے لئے بھی
ہے یا نہین - اس بارہ میں احتمال اسی بات کا ہے کہ تقیہ
کا حکم اس کے متعلق بھی تسلیم کیا جاے اور ایسے احتمال
پر کئی دلیلین قائم ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم
کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے مال کی عزت اور اہمیت اُسی
طرح ہے جیساکہ اوسکے خون کی - دوسرے آنحضرت صلعم
کی وہ حدیث ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت مین قتل
ہو جاے اوسکو شہادت کا درجہ ملتا ہے تیسرے یہ کہ
مال کی حاجت انسان کو بہت زیادہ ہے اور اسی کی

من نقصان المال فكيف لا يجوز ههنا والله اعلم

حفاظت اس درجہ ضروری ہے کہ اگر وضو کے لئے پانی مہیا کرنے کے لئے کچھ قیمت دینا پڑے تو ایسی صورت مین حکم وضو بھی ساقط ہو جاتا ہے اور تیمم پر کفایت جائز ہو جاتی ہے محض اس لئے کہ پانی کے خاطر مال کا تھوڑا بہت بھی نقصان نہو۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ مال کی حفاظت کے لئے تقیہ کا جواز نہ قرار دیا جائے۔

پھر امام صاحب فرماتے ہیں:-

الحكم الخامس قال مجاهد هذا الحكم كان ثابتا فى اول الاسلام لاجل ضعف المسلمين فاما بعد قوة الاسلام فلا وروى عوف عن الحسن انه قال التقية جائزة للمومنين الى يوم القيمة وهذا القول اولى لان دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الامكان

پانچوان امر یہ ہے کہ مجاہد کا بیان ہے کہ تقیہ کا حکم ابتدائے اسلام مین مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے تھا پھر جب کہ اسلام کو قوت حاصل ہو گئی تو وہ حکم برطرف ہو گیا۔ اور حسن بصری سے مروی ہے کہ قیامت تک تقیہ جائز ہے۔ البتہ یہ قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اپنے نفس کو جو چیز مضرت پہونچانیوالی ہو اس کے دفعیہ کی تدابیر کا اختیار کرنا ہر شخص پر بقدر امکان واجب ہے۔

تقیہ کا وجوب | امام رازی نے مسئلہ تقیہ کی جو حکیمانہ توجیہ اس مقام پر ظاہر فرمائی ہے وہ اس مقصد کی طرف آسانی کے ساتھ رہنمائی کرتی ہے جو خداوند عالم نے اپنے کلام "ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ" مین (یعنی خبردار تم اپنے ہاتھوں سے اپنے کو ہلاکت مین نہ ڈالو) بیان فرمایا ہے اور جس سے صراحۃً ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر حکم الٰہی اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈالنا خصوصاً اس موقعہ پر جبکہ از روے شریعت اس سے مخلصی

اور نجات کی سبیل ممکن ہو کتاب اللہ کی رو سے منہی عنہ ہے یعنی خدا نے اس کی ممانعت فرمائی ہے جس سے بعض اوقات تقیہ کا واجب ہونا بخوبی مستفاد ہوتا ہے۔

تقیہ کا حکم اوائل اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آیہ زیر بحث جو تقیہ پر دلالت واضحہ رکھتی ہے مطلق ہے اور اس میں کسی قسم کی اور کسی وقت کی قید نہیں کی گئی۔ ایسی حالت میں مجاہد کا یہ اجتہاد کہ "کان ثابتاً فی اول الاسلام" جس کا مقصود صدر اسلام کے ساتھ حکم تقیہ کی تخصیص کرنا ہے یقیناً ایک ایسا اجتہاد ہے جو بالبداہت قرآن کریم کی نص صریح کے مقابلہ میں کیا گیا ہے جو کسی طرح قابل قبول ارباب عقول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ آیہ کریمہ بلاشبہ منصوص اور مطلق ہے اور ظاہر ہے کہ مطلق کو فرد مقیّد پر بغیر قرینہ کے دلالت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مجاہد کو خود اس امر کا اعتراف ہے کہ تقیہ کی علت درحقیقت ضعفِ اسلام یا مسلمانوں کی کمزوری ہے لہذا قاعدہ عقلیہ "متی تحقق العلۃ تحقق المعلول" کے مطابق (یعنی جب کبھی علت کا تحقق ہو جائے معلول کا متحقق ہونا ضروری ہے) لازم ہوا کہ جس زمانہ میں مسلمان کمزور ہو جائیں تقیہ ان کے لئے بحسب ضرورت جائز ہو غرضکہ اوائلِ اسلام کے ساتھ تقیہ کی تخصیص کرنا یقیناً غلط ہے اور واقعی امر جو کتاب و سنت اور بداہتِ عقل سے ثابت ہوتا ہے بلاشبہ وہی ہے جو امام حسن بصریؒ نے اختیار فرمایا ہے یعنی التقیۃ الی یوم القیامۃ۔

المختصر تقیہ کی مشروعیت پر کتاب و سنت اور پیشوایانِ دین کے عمل سے جس کثرت کے ساتھ ادلہ و شواہد پائے جاتے ہیں، اگر اُن سب کا احصا کیا جائے تو بہت بڑا دفتر صرف اسی ایک مسئلہ کے متعلق تیار ہو سکتا ہے لیکن ایک طالب حق کی تسلی اور اطمینان

کے لئے جس قدر لکھا گیا ہے غالباً وہ کافی ہوگا۔

مصنف تاریخ امروہہ کا تعلی آمیز اور سراسر جھوٹا دعوی

اب یہ موقع ہے کہ ناصبی سے دریافت کیا جائے کہ اے کور باطن! تقیہ کے جواز پر بیشمار دلائلِ قاہرہ کے ہوتے ہوئے اپنی تاریخ جلد اول کے صفحہ ۲۵۹ پر تیرا یہ تعلی آمیز اور سراسر جھوٹا دعوی کرنا کہ :۔

"یہ خیال کہ یہ سب حضرات (بزرگان سادات امروہہ) تقیہ کئے ہوئے تھے اور کسی خوف ضرر یا جلب منفعت کی وجہ سے × × × اپنے عقائد مذہبی کو مخفی رکھتے تھے محض بے اصل اور بے بنیاد ہے × × × ایسا خیال کرنا ہی ان خدا رسیدہ اور نیک بندوں کی جن کا ظاہر و باطن یقیناً ہر حالت میں یکسان تھا اور جو سوائے خدائے واحد کے اور کسی قوت و طاقت سے ڈرنے والے نہ تھے سخت ترین توہین کرنا ہے"

کیا سچ مچ یہ ظاہر نہیں کرتا کہ درحقیقت تو خود بے اصل ہے اور تری تمام لاف و گزاف سراسر بے بنیاد کیا تیری اس ہرزہ سرائی کے یہ معنی نہیں کہ تو سب سے پہلے خدائے واحد کی سخت ترین توہین کرتا ہے جس نے تقیہ کا حکم دیا۔ اس کے بعد اُن تمام انبیاء و صالحین کی شان والاشان میں جن کی سیر تون سے عمل بر تقیہ یا اخفائے عقائد کا ثبوت اظہر من الشمس ہے، انتہائی گستاخی اور بے ادبی کے ارتکاب سے اپنی کمال وقاحت و جہالت و خباثت نفس کا کامل ثبوت دیتا ہے۔ اسے دشمنِ انصاف! کیا مومن آل فرعون خدا رسیدہ اور نیک بندہ نہیں تھا جو ظاہر مین فرعونیون کی موافقت کرتا اور باطن مین اُن کا سخت مخالف تھا مگر خدا نے اس اخفائے ایمان پر اوسکو سچا ایماندار بتایا اور

الصادق الامین نے اس کے صدیق ہونے کی گواہی دی۔ کیا خدا کے برگزیدہ رسول موسیٰؑ و ابراہیمؑ اور تمام نبیون کے سردار اور باعث ایجاد عالم نبی بی علیہم التحیۃ والثنا اور آپ کے اصحاب صدق و صفا رضوان اللہ علیہم تیرے نزدیک خدا رسیدہ اور نیک بندے نہیں تھے جو بنفس نفیس تقیہ پر عامل رہے؟ اور اگر اُن نفوس قدسیہ کے لئے تقیہ اُن کی عدالت و صداقت و دیانت و تقدس کا قادح نہیں ہے۔ تو بزرگانِ ساداتِ امروہہ کے لئے کسطرح قادح اور خلافت عقل ہوسکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا تقیہ

ہم جانتے ہین کہ تاریخ امروہہ کے مصنف کو نہ خدا اور رسول کے احکام سے کچھ غرض ہے اور نہ حضرات اہل بیت رسالت اور صحابہ کرام سے کوئی سروکار۔ ایسی حالت مین جب تک کہ مصنف کو کسی ایسے بزرگ کا عمل بر تقیہ نہ دکھایا جائے جس کو وہ فخریہ اپنا جد امجد قرار دیتا ہو اس کی تسلی نہیں ہوسکتی۔ لہذا ترجمان القران اور حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس کے تقیہ کی صرف ایک مثال بنظر اختصار یہان پیش کی جاتی ہے:۔

علامہ ملا علی متقی کنز العمال مین لکھتے ہین:۔

عن نافع ان رجلا سال ابن عمرؓ عن متعۃ النساء فقال ھی حرام فقال له ابن عباسؓ یفتی بھا فقال ابن عمر لاترمرمھا	نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے مسئلہ متعۃ النسا کے بارے مین سوال کیا تو انہون نے فرمایا کہ وہ حرام ہے تب اس شخص نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو متعہ کے حلال ہونے کا فتوی دیتے ہیں۔ پس حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہین حضرت عمر کے زمانۂ خلافت مین ابن عباسؓ نے کبھی ایسی

ابن عباسؓ فی زمن عمرؓ لواخذ فیھا احدٌ لرجمه

جسارت نہین کی۔ ان کے عہد مین اگر کوئی شخص ایسا فعل کرتا تو بلاشبہ وہ اُسے سنگسار کراکر مروا ڈالتے۔"

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو صرف یہی ایک واقعہ حضرت ابن عباسؓ کے تقیہ کے ثبوت مین کافی ہے جس سے صراحتاً ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ مین ان کے خوف کی وجہ سے جناب عبداللہ بن عباسؓ متعہ کی حلت کے بارے مین اپنا اصلی مذہب چھپائے ہوئے تھے اور ظاہر کچھ اور کرتے تھے اور اُسی طرز عمل کا نام تقیہ ہے ؛

اسی طرح مشہور مسئلہ عول اور دیگر مسائل مین جناب ابن عباسؓ مذہب شیعہ کے موافق اور حضرت عمر کے سخت ترین مخالف تھے (جیساکہ کتب صحاح وسنن وغیرہ سے بخوبی ثابت ہے) لیکن وہ اپنی مخالفت حضرت عمر کے زمانہ مین محض دُرّہ فاروقی کے خوف سے کبھی ظاہر نہ کرسکے جس سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انکا ظاہر و باطن یقیناً ہر حالت مین یکسان نہ تھا۔ واضح ہو کہ ایسے واقعات وروایات اصلاً مستبعد عقل نہین ہین کیونکہ دوسرے واقعات سے علانیہ ان کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً

حضرت ابوہریرہؓ کوڑون کے خوف سے احادیث رسولؐ کوچھپاتے تھے

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ جلد اول میں لکھتے ہین :-

عن ابی سلمه عن ابی هريرة قلت له كنت تحدث فی زمان عمرؓ هكذا فقال لو كنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثكم لضربنی بمخفقته

ابوسلمہ کہتے ہین کہ ہم نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ حضرت عمر کے زمانہ مین بھی اسی طرح حدیثین روایت کیا کرتے تھے ؟ توانہون نے فرمایا کہ اگر مین ایسا کرتا تو عمر مجکو کوڑے مارتے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود ابودردا اور ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہم

ان عمر حبس ثلثة ابن مسعود و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کو قید کر دیا تھا اور اُن کا جرم یہ بتایا گیا تھا کہ "تم لوگوں نے رسول اللہ کی بہت سی حدیثوں کی اشاعت کی ہے"

اس روایت سے حضرت ابن عباسؓ کے تقیہ کرنیکی وجہ بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ محض حضرت عمرؓ کے کوڑوں کے ڈر سے اپنا ظاہر و باطن یکسان نہ رکھتے تھے اور امر حق کو چھپا کر تقیہ پر عامل تھے، یہی حال حضرت ابن عباسؓ کا تھا۔

شیخ محمود کے معیار کی رو سے حضرت ابن عباسؓ نیک بندے نہیں ہو سکتے	اب یہ ناصبیت مآب ہمیں بتائے کہ کیا اس کے عقیدہ مین حضرت

ابن عباس سچ مچ خدا رسیدہ اور نیک بندے نہیں تھے؟ اور اگر تھے تو ایک مسئلہ شرعی کے اظہار مین جو انکے علم و یقین مین حق و صحیح تھا وہ سوائے خدائے واحد کے حضرت عمرؓ کے کوڑون سے کیون ڈرتے تھے اور حضرت عمر کو ایک غلط اور ناحق عقیدہ پر راسخ یقین کرتے ہوئے اعلاء کلمۃ الحق سے انہین کیون گریز تھا؟ اگر یہ تقیہ کی واضح مثال نہیں تو کیا ہے اور اگر وہ حقیقتاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خدا رسیدہ اور نیک بندہ نہیں سمجھتا اور اُنکا ظاہر و باطن ہر حالت میں یکسان نہو نیسے اُنہین منافق جانتا ہے تو اپنے اعتقاد اصلی کو چھپا کر اس کے خلاف عقیدہ ظاہر کرنے سے وہ خود اپنے مسلمہ معیار کے مطابق منافقت کی صفت سے کسطرح بری ہو سکتا ہے؟

شیخ جی کی ہٹ دھرمی	کسقدر عدل و انصاف کا خون یہ بیداد گر کرتا ہو کہ ایک فرمان روا کے کوڑون کے خوف سے عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہ جیسے اصحاب

"كالنجوم باتهم اقتديتم اهتديتم" اگر اپنے عقائد کو مخفی رکھین اور حقیقی سنتِ نبوی کی ترویج و اشاعت سے دستکش رہین اور جھوٹے مسائل کے نشر و اجرا پر سکوت اختیار کرین تو نہ انکا یہ طرزِ عمل کسی طعن و تشنیع کا مستحق بتایا جاتا ہے اور نہ اُن کے خدا رسیدہ اور نیک بندے ہونے مین کوئی شک و شبہ کیا جاتا ہے لیکن جب انتہائی ظلم و تعدی کے واقعات پر جو فرقہ شیعہ پر سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت مین رونما ہوئے سادات امروہہ کا اپنے مذہبی عقائد کو مخفی رکھنا بیان کیا جاتا ہے تو یہ باطل کوش اُن خوف زدہ اور غریب الوطن بزرگون کے خدا رسیدہ اور نیک بندے ہونے مین کلام کرتا ہے اُور "فلما جاءتہم ما عرفوا کفروا بہ" کے مطابق ان کے تقیہ کرنے کو خلاف عقل بتاتا ہے۔ انّ ھذا الشئ عجاب ؎

حضرت سید شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ کا تقیہ

قدرتِ خداوندی کا یہ نمونہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ تاریخ امروہہ کا مار افسا مصنف عوام و جہال کے روبرو اپنے سحرِ سامری کا دامِ فریب بچھاتا ہوا ساتھ ہی ساتھ اپنے تجاہلِ عارفانہ اور تکذیب و تفضیح کا مواد بھی خود ہی اپنے ہاتھون سے پیش کرتا ہے۔ یعنی وہ اس روایت کو فرض کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے کہ سادات امروہہ کے مورث اعلی جناب سید شرف الدین رحمہ اللہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے ہم عصر تھے، سلطان مذکور کی ایک تحریر کا اقتباس فتوحات فیروز شاہی اور ایلیٹ حصہ سوم کے صفحہ ۳۸۰ کے حوالہ سے دیتا ہے۔ مصنف کی عبارت یہ ہے:-

سُلطان فیروز شاہ کی ایک تحریر سے سید جلیل موصوف کے شیعہ نہونے پر مصنف کا استدلال

"اس روایت کو اگر باور کر لیا جائے۔ اور

یہ مان لیا جائے کہ حضرت شاہ ولایت (جناب سید شرف الدین رحمہ اللہ) اس کے زمانۂ سلطنت مین موجود تھے تو جو سلوک اور برتاؤ اس متعصب سنی بادشاہ نے شیعہ مبلغین کے ساتھ کیا اور اُس کی جو کیفیت اُسنے خود اپنے قلم سے اپنے خود نوشت حالات مین لکھی ہے وہ اُسی کے الفاظ مین سُنئے :۔

"فرقہ شیعہ نے جنہین روافض بھی کہتے ہین، میری سلطنت مین اپنے عقائد ... پھیلانے کی کوشش کی، رسائل اور کتابین لکھین اور شیعی معتقدات کی تعلیم واشاعت بھی شروع کی حتیٰ کہ حضرات خلفائے راشدین رض کی ہتک حرمت اور سبّ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اقدام کیا۔ مین نے ان سب کو گرفتار کرالیا اور ان کے جرائم وقصوروں پر انہیں سخت ترین سزائیں دین۔ ان مین سے جو غالی شیعہ تھے انہیں قتل کرایا اور بقیہ کو تعذیر و تہدید اور جزر و تشہیر کی، اُن کی کتابین اور تحریرین جلادی گئین اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثرات بد سے ملک کو قطعاً پاک وصاف کیا۔"

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ اگر حضرت شاہ ولایت قدس سرہ اس بادشاہ کے عہد حکومت مین موجود ہوتے اور آپ یا آپ کے اعزا مذہباً وعقیدتاً شیعہ ہوتے تو یہ متعصب سُنّی حکمران آپ سے عقیدت رکھنے کی بجائے آپ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتا جس کا تذکرہ اُسنے خود اپنے قلم سے سطور بالا مین کیا ہے (تاریخ امروہہ جلد اوّل صفحات ۶۴ - ۲۶۳

استدلال مذکور کی لغویت | حیرت ہے کہ جو واقعہ جناب سیدؒ علیہ الرحمۃ

کے تقیہ کرلے اور اپنے عقائد مذہبی کو مخفی رکھنے کا اصلی سبب و علت ہے اور جس سے انکا اخفاے تشیع بالکل قرین عقل و قیاس ہے اُسی کو یہ ابوجہل ان کے شیعہ نہ ہونے بلکہ پکے سنی ہونے کی دلیل ٹھیراتا ہے اصل یہ ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس جبکا ایک ایک لفظ متعصب سُنی بادشاہ کے انتہائی ظلم و استبداد و بیداد کا مظہر ہے نہ صرف شرعی نقطہ نظر "لاتلقوا بایدیکم الی التھلکہ" کی رو سے بلکہ اصول فطرت کی بنا پر تقیہ کی عین محل ضرورت کو جس شد و مد کے ساتھ علانیہ ثابت کرتا ہے، دنیا کا کوئی صاحب عقل و حکمت اور صحیح الحواس شخص اُس سے انکار نہیں کر سکتا حفاظت خود اختیاری لازمۂ فطرت انسانی ہے اور ظاہر ہے کہ جب محض شیعہ ہونا کسی گورنمنٹ کے قانون تعزیرات کی رو سے ایک ایسا سنگین جرم قرار دیا جاتے جو ایک انسان کو سزاے قتل و غارت کا مستوجب بناتا ہو تو ایسی سخت خطرناک حالت سے بڑھکر اور کونسی صورت عمل بر تقیہ کی ہو سکتی ہے۔

غالباً ہر عاقل اس بات کو بلا تردد تسلیم کرے گا کہ جناب سید شرف الدین رحمہ اللہ کے لئے کتاب و سنت اور اصول فطرت اور عقل و حکمت کی رو سے ایسے پر آشوب زمانہ مین تقیہ کر کے اپنی اور اپنے متعلقین اور اعزّا و رفقا کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا سب سے پہلا فرض تھا اور اگر ایسا نہ کرتے تو عند اللہ ضرور قابل مواخذہ ٹھیرائے جاتے کیونکہ محل تقیہ متحقق ہوتے ہوئے تقیہ سے اجتناب کرنا اور دیدہ و دانستہ اپنے کو ہلاکت مین ڈالنا بلاشبہ "لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ" کی صریح مخالفت تھی۔

امر حق کا انکشاف جناب سید علیہ الرحمہ کی ہدایت پر موقوف نہ تھا

یہ امر بھی ظاہر ہے کہ اس عہد میں احکام خدا ورسول کی بخوبی اشاعت ہو چکی تھی آیات قرآنی کی تفسیر اور احادیث رسول کی تبیین مین سیکڑون اور ہزارون اسفار دینیہ مدوّن ومرتب ہوکر عام شہرت پا چکے تھے تعلیم یافتہ مسلمان اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے کہ خلافت عتیقی کے انعقاد واتباع کا نہ خدا نے قرآن مین کوئی حکم دیا اور نہ اُس کے رسول نے صاف وصریح کوئی ایسا شرعی فرمان نافذ فرمایا جسکا یہ مضمون ہو کہ ہدایت اور گمراہی کا مدار خلافت بکریہ کی اطاعت اور عدم اطاعت پر ہے۔ نہ یہ بتایا کہ میرے بعد "من لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ" کی تعمیل کی یہ صورت ہے کہ تم میرے بعد ابوبکرؓ کو اپنا امام مانو" مسلمانونکو یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ آدمی اگر عند اللہ گنہگار اور قابل مواخذہ قرار پاتا ہے تو صرف خدا اور رسول کے صاف وصریح احکام کی خلاف ورزی سے نہ گنہگار انسانون کی کسی قرار داد کے انحراف سے جو[له] ماکان لھم الخیرۃ کی رو سے کسی طرح عند العقلا واجب التسلیم نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ایک ایسی قرار داد کا جسپر خدا اور رسول کی کوئی نص صریح موجود نہو، علانیہ طور سے حدیث رسول لا ادری ماتحدثون بعدی کا مصداق ہونا یا بالفاظ دیگر اُس کا بدعت وتشریع ہونا ہر ذی شعور اور طالب حق بآسانی دریافت کرسکتا تھا۔

جناب سید علیہ الرحمہ کے لئے تقیہ کی راہ بالکل کشادہ تھی

یقیناً یہ امر ایسا نہ تھا جسمین ہدایت کا انحصار جناب سید شرف الدین رحمہ اللہ کی ذات

له ربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ ۱۲

والاصفات پر ہوتا۔ لہذا شیعہ اصول کی بنا پر جناب ممدوح کے لئے کوئی چیز تقیہ
کی مانع موجود نہ تھی۔ البتہ اگر حق و باطل مین امتیاز کا ذریعہ اور عامہ اسلام کی رہنمائی کا
وسیلہ محض آپ کی ہدایت وارشاد پر منحصر و موقوف ہوتا اور کوئی دوسری سبیل
احقاق حق کی میسر نہ ہوتی تو بلاشبہ ایسی حالت مین تقیہ آپ پر ناجایز ہوتا (جیسا کہ
علمائے فحول مذہب شیعہ کی تصریحات و تنصیصات سے منقح اور مبرہن ہوچکا ہے) اور
اسوقت یقیناً آپ علانیہ امر حق کی تبلیغ فرماتے خواہ اسکے نتیجہ مین آپ معہ اپنے
اعزا و رفقا کے قتل ہی کیون نہ ہوجاتے جیسا کہ بزرگان شیعہ کی سیرتون سے ظاہر
ہوتا ہے کہ جب کبھی تقیہ کا محل انہیں پیش آیا ہے تو انہون نے تقیہ کیا ہے اور جہان
تقیہ کا محل نہیں پایا وہان انہون نے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ہر قسم کی قربانیون کی
بینظیر اور سخت ترین المناک مثالین پیش کی ہین۔ خاص ہندوستان کے واقعات کو
دیکھنا ہو تو آگرہ مین مجاہد فی سبیل اللہ علامہ سید نور اللہ شوستری اور دہلی میں شہید
راہ خدا علامہ مرزا محمد رضی اللہ عنہم کے مظلومانہ قتل کے سنسنی خیز اور ہوش ربا واقعات
قابل ملاحظہ ہین ؛

مشائخ کرام کی علو شان کے منافی تسنن ہے نہ اخفائے ایمان

الحاصل واقعات و حالات کی بنا پر جناب سید شرف الدین نور اللہ مرقدہ کا تقیہ کرنا ہرگز
مستبعد عقل نہین ہوسکتا۔ تعجب ہے کہ اس قسم کے عقائد جو تعدد قدما اور رویت باری
تعالیٰ اور دیگر ہفوات متعلقہ الوہیت ذات اقدس الٰہی کی تجویز کی بنا پر جو اصل توحید
کو باطل کرنیوالے ہین، اور ایسے خیالات جو خاتم الرسالت اور صاحب ماینطق عن الہوی
کو ایک "معمولی خطاکار انسان" "ہذیان گو" اور ایک "مجتہد مخطی" سے زیادہ عزت بخش نہین

ہیں، اور ایسے پاکیزہ مسلمات جنکے ماتحت ایک فاسق و فاجر اور جاہل شخص بھی خلافت الٰہیہ اور نیابت رسول کا مستحق اور ہدایتِ خلق کا ذمہ دار بنایا جاسکتا ہے اور جن کی رعایت سے ”صلوا خلف کلّ برٍ و فاجر“ کا قانون ایک قمار باز، زنا کار، سود خوار، چور، اور بدمعاش کو امامتِ نماز کا اہل قرار دیتا ہے اور ایسے مضحکہ خیز اعتقادات جن کی رو سے خطار اجتہادی کے بہانے سے ”ظالم“ بھی ”جنتی“ ”مظلوم“ بھی ”جنتی“ قاتل بھی ”رضی اللہ عنہ“ اور ”مقتول“ بھی ”رضی اللہ عنہ“ ایک مومن صالح بھی عادل اور ”ایک فاسق و فاجر“ بھی ”عادل“ ٹھیرایا جاتا ہے، ایسے متضاد اور صریح البطلان خیالات وعقائد تو اس مبتلائے سنت المشائخ کے نزدیک مشائخ کرام کی جلالتِ قدر اور غزارتِ علمیہ اور تقوی و تقدس کے منافی نہ ہوں جو یقیناً منافی ہونا چاہئیں اور تقیہ جو فطرتِ انسانی کے مطابق ہے اور خدا اور رسول نے جسکا حکم دیا ہے، اسکا انتساب مشائخ کرام کی طرف اُن کی علو شان کے منافی ہوجائے لاحول ولا قوۃ برین عقل و دانش بباید گریست

مصنف تاریخ امروہہ کی اُلٹی منطق ...!

سلطان فیروز شاہ کی مذکورہ بالا تحریر کو نقل کرکے مصنف کا یہ تفریع کرنا کہ متعصب سُنی حکمران کے ایسے ظالمانہ برتاؤ کے ہوتے ہوئے جس کا تذکرہ خود اُس نے کیا ہے حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ مذہباً وعقیدتاً شیعہ نہیں ہوسکتے، ایک ایسی اُلٹی منطق ہے جس کی تہ میں ارادی کذب وافترا اور دجل و فریب نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس مجسمہ جہل مرکب سے کوئی پوچھے کہ اس بانگ بے ہنگام سے تیرے اصل مدعا کو کیا فائدہ پہونچا؟ جس بات کو تو ثابت کرنا چاہتا تھا وہ تو خود تیرے ہی قلم سے قطع ہوگئی اور حیف ہے کہ تجھے مطلق احساس نہ ہوا۔ ”خوف ضرر“ کو تو خود تسلیم کرتا ہے کہ فرقہ شیعہ کے لئے اس متعصب سُنی بادشاہ کے عہد میں

موجود تھا۔ قتل وغارت کے علاوہ اور طرح طرح کی ایذائیں شیعہ مذہب کے لوگوں کو
دیجاتی تھین پھر ابات کے تسلیم کرنے مین کیا عذر ہے کہ اس جابر وظالم بادشاہ کے
وحشیانہ ظلم وتعدی سے محفوظ رہنے کے لئے جناب سید رحمہ اللہ نے تقیہ کیا کیونکہ
التقیۃ جائزۃ عند الخوف خود تیرے مایۂ ناز پیران طریقت اور واقفان اسرار شریعت
"اور قدس اللہ اسرارہم" کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ بادشاہ
عالم الغیب نہ تھا جو جناب سید طاب ثراہ کے قلبی اعتقادات پر مطلع ہوتا لہذا جیسے
مومن آل فرعون یعنی صدیق امت موسیٰ اور خود جناب موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے
خیالات وعقائد اصلیہ فرعون پر مخفی رہے، اسی طرح مدعیان اسلام کے اس تعلقی فرعون
پر جناب سید علیہ الرحمہ کے واقعی اعتقادات مخفی رہے اور اس لئے آنجناب سے اس کو
عقیدت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ وہ انکو سنی جانتا تھا ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

عہد مغلیہ مین تقیہ کے عدم احتمال کی بابت مصنف کا دعویٰ

آگے چل کر دیوانہ بکار خویش اپنے ہم داستان مگر سلوب البصیرت جہال کی بصارت کو زائل
کرنے کے لئے ایک وحشی جانور کی طرح خاک اڑاتا ہوا تقیہ کی تردید میں اس طرح ہرزہ
سرائی کرتا ہے:۔

> "مسئلہ تقیہ میں جہانتک خوف ضرر کا تعلق ہے عہد مغلیہ سے پیشتر اس کا امکان
> بنایا جاسکتا ہے لیکن شاہان مغلیہ کے زمانہ میں تو اس کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا
> تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد مین غالی سے غالی شیعہ ایران سے آتا اور حسب
> لیاقت وقابلیت منصب اور عہدہ پاتا۔ شاہی بیگمات تک شیعہ مذہب رکھتی تھین
> وزراء و امراء اور خاص مقربین شاہی کے زمرہ مین شیعہ موجود تھے۔ پھر کیا وجہ

تھی کہ اس عہد مین مولانا سید محمد میر عدلؔ ان کے نامور اخلاف یا اُن کے دوسر اعزائے شیعیت کا اظہار و اعلان نہیں کیا؟ اس زمانہ مین تو اس کے اظہار و اعلان مین کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا تھا" (تاریخ امروہہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۴)

دعویٰ مذکور کی حقیقت

افسوس تعصب اور جہالت بھی کیسی بد ترین اور خطرناک چیزین ہین جو دونو ملکر ایک خودغرض شخص کو اندھا کر دیتی ہین۔ اس کور باطن سے دریافت کیا جائے کہ تیری اس تقریر سے تو صاف صاف مترشح ہوتا ہے کہ جس مقام پر خوف ضرر پایا جائے وہان تقیہ کا البتہ امکان ہے واذلیس فلیس لیکن ظالم تونے تو خوف ضرر کے وقت بھی تقیہ کے امکان کو تسلیم نہین کیا اور وہان بھی ہر طرح دھاندلی مچانے کو تیار رہے جیساکہ جناب سید شرف الدین رحمہ اللہ کی تحقیق مذہب کے متعلق تیری مکابرانہ روش ابھی معلوم ہوئی۔ ایسی بدیہی اور بیّن ناحق کوشی کے بعد کوئی حق پسند تیری کسی بات کو نیک نیتی پر محمول نہیں کرسکتا۔

کس قدر ابلہ فریب دعویٰ ہے کہ "شاہان مغلیہ کے زمانہ مین تقیہ کا احتمال نہین ہو سکتا اور کسقدر رجہ لایعنی اور لغو منطق ہے کہ ایسا احتمال اس لئے نہین ہو سکتا کہ وزرا و امرا اور خاص مقربین شاہی کے زمرہ مین شیعہ موجود تھے یا بعض شاہی بیگمات شیعہ مذہب کہتی تہین اے دشمن انصاف کیا وہ بعض وزرا اور خاص مقربین شاہی جو شیعہ مذہب رکھتے تھے، ہندوستان کے ہر ہر صوبہ مین شہر بشہر اور قریہ بقریہ روز مرہ چوبیس گھنٹے گشت لگایا کرتے تھے؟ کیا تجھ جیسے مردم آزار اور دشمن ایمان ناصبی درندون کے وحشیانہ اور شر انگیز حرکات و سکنات پر جو مور و ملخ کی طرح تمام ملک مین چھائے ہوئے تھے ہر گھڑی اور ہر ساعت انکا پہرا تھا اور آیا شیعون کی اقل قلیل تعداد جو "قلیل"

من عبادی الشکور کی مصداق تھی، مخالفین و معاندین کی اکثریت پر غالب آسکتی تھی؟ سوچنے کی بات ہے ؎

عہد مغلیہ میں ایک مقدس عالم شیعہ کے قتل کا سنسنی خیز واقعہ

اس واقعہ تاریخی سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاہی بیگمات میں نورجہان بیگم جو شیعہ تھی، انتہا کی بات ہے کہ وہ اپنے ایک مقدس عالم شرع سید نور اللہ شوستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان نہ بچاسکی۔ اُسنے اپنے شوہر جہانگیر بادشاہ سے طرح طرح سے الحاح و فریاد کی کہ عالم ممدوح ہمارے واجب الاحترام مذہبی رہنما اور ایک سید جلیل ہین، غریب الوطن ہین، انہون نے درحقیقت کوئی گناہ بھی نہین کیا، محض چند اموی نژاد اور عباسی سرشت ملاؤن کے جھوٹے اتہام پر اُنہین بے جرم و خطا قتل نہ کیا جائے لیکن اُس غریب کی کچھ پیش نہ گئی۔ سنگدل اور متعصب بادشاہ کو مطلق رحم نہ آیا۔ شقی ازلی نے نہ خدا سے خوف کیا نہ ذریتِ رسول کی کسی طرح رعایت کی اور نہ اپنی بیگم کی سفارش کا کچھ لحاظ و پاس کیا انجام کار نہایت غربت اور بیکسی کے عالم مین سید علیہ الرحمہ کی زبان گدّی سے کھینچ لیگئی اور اسطرح قبل از وقت ان کی مقدس اور معدن علم و فضل اور سرچشمہ ہدایت زندگی کا خاتمہ کیا گیا ؎

فلعنۃ اللہ علی القوم الظالمین وسیعلموا الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون"

یہ ہے عہد مغلیہ کے انتہائی جور و ظلم اور شیعون کے ساتھ کمال خصومت و عناد و بیداد کا ایک وحشت ناک نمونہ جس کو کسی طرح جھٹلایا نہیں جاسکتا اور جس سے ہر ذی شعور بآسانی اس امر کا اندازہ کرسکتا ہے کہ جب ایک ایسے ذوی الوجوہ مقدس عالم شیعہ پر جو خود حکومت کی طرف سے اپنے عدیم النظیر کمالاتِ علمیہ اور جلائل فضائل کی وجہ

سے قاضی القضاۃ کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھا بغیر ثبوت جرم سزائے موت کا حکم نافذ کر دیا گیا تو معمولی غربا و ضعفائے شیعہ پر حکومت اور اُس کی ہم مذہب رعایا کے بے پناہ مظالم کی کیا کیفیت ہوگی !!!

عہد مغلیہ مین شیعون کے لئے تقیہ کے وجوہ

بغور و انصاف دیکھا جائے تو مجرد یہی ایک واقعہ مصنف کے اس صریح جھوٹ کی بنیاد کا قلع و قمع کرنیکے لئے کافی ہے کہ "شاہان مغلیہ کے زمانہ مین خوف ضرر کا تو احتمال بھی نہین ہو سکتا تھا" اے بے تمیز تو جو خلق خدا کو فریب دینے کے لئے واقعات تاریخی کو چھپانا چاہتا ہے اور غلنیہ کا مغنّی بنکر یہ انوکھا ترانہ الاپتا ہے کہ عہد مغلیہ مین شیعون کے لئے کسی قسم کے ضرر کا کھٹکا نہ تھا اور اِس لئے تقیہ کی بھی کوئی ضرورت اُس زمانہ مین نہ تھی اسکو کون باخبر اور ذی ہوش انسان باور کر سکتا ہے ۔ کیا تجکو سچ مچ جہانگیر بادشاہ کے شاہان مغلیہ مین معدود ہونے سے انکار ہے یا تیری مجال ہے کہ بادشاہ مذکور کے حکم سے اُس سید جلیل اور فقیہ اہلبیت کے قیامت خیز قتل کے واقعہ ہائلہ کو جھٹلا سکے اور اس خون ناحق کو چھپا سکے ؟ اور اگر نہین تو کیا تجھے اب بھی معلوم نہ ہوا کہ اس زمانہ مین مذہب شیعہ کے اظہار و اعلان کو کیسا امر مانع تھا ۔ کیا تیری سمجھ میں اب بھی نہ آیا کہ اس تاریکی اور ظلمت کے عہد مین مولانا سید محمد میر عدل اور اُن کے نامور اخلاف یا انکے دوسرے اعزا نے جو شیعیت کا اظہار و اعلان نہین کیا اُس کی کیا وجہ تھی اور یہ کہ وہ وجہ از روئے اصول فطرت و احکام شریعت کس درجہ ضروری اور قابل لحاظ متصور ہو سکتی تھی ۔

تاریخ امروہہ کے مصنف کا قلب اگر مذہب کی بیجا عصبیت و تعصب سے پاک

ہوتا تو یہ خیال ضرور اُس کے پیش نظر رہتا کہ تقیہ کا محل وہ ہی لوگ خوب سمجھ سکتے تھے جو اس عہد کے رہنے والے تھے جنہین انواع و اقسام کے لوگون سے واسطہ پڑتا تھا اور انکے گرد و پیش جس وضع اور چال وچلن کے لوگ رہتے تھے اور جن کی مجاورت سے اختلاف مذہب کی صورت میں جن مشکلات کا اُنہین ہر لحظہ اور ہر ساعت کھٹکا لگا رہتا یقینی تھا اُنپر دوسرا شخص مطلع نہین ہو سکتا۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شاہان مغلیہ کو شیعون سے کوئی کد و کاوش نہ تھی حالانکہ اُن کے وحشیانہ سلوک کا نمونہ اوپر بیان ہو چکا ہے تاہم ایک بافہم شخص اسباب کا بخوبی ادراک کر سکتا ہے کہ فضائے ملک شیعون کے لئے یقیناً سخت خطرناک تھی گو بخیال مصنف حکومت تغلقیہ کو سالہاسال ہی کیون نہ گذر چکے ہون اور سید شرف الدین رحمہ اللہ کا زمانہ شاہان مغلیہ ہی کا زمانہ کیون نہ تسلیم کر لیا جائے تاہم عام رعایا جو الناس علی دین ملوکھم کا وظیفہ پڑھتی چلی آتی تھی وہ اپنے سابق مذہبی اولی الامر سلطان فیروز شاہ تغلق کے ناصبیت آموز اور عام پسند اثرات تعصب سے قدرتاً علیحدہ نہ ہو سکتی تھی۔ شیعون سے منافرت اور عناد و لداد کے جو خیالات و جذبات ان مین متوارث چلے آتے تھے اور جو اُنکے عقائد مذہبی کا جز اعظم بن چکے تھے وہ قلیل التعداد شیعون کے جان و مال اور عزت و آبرو کو پامال کرنے کے لئے بجائے خود کافی تھے خواہ حکومت وقت براہ راست اُن سے متعرض ہوتی یا نہ ہوتی۔ لہذا [۱] اُستضعفوا فی الارض" سے تمسک رکھنے والون غریب شیعون کا ایسے پرخطر مواقع

---

[۱] ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اُن لوگوں پر جو اس دنیا میں کمزور کر دیئے گئے ہیں احسان کریں اور اُن کو امام بنائیں اور اُن ہی کو ہم وارث قرار دیں (القصص)

پر تقیہ کرنا اصلا محل استعجاب و استغراب نہین ہو سکتا *

سادات امروہہ کا آبائی مذہب سُنی ثابت کرنیکے لئے مدعی کی ناکام کوشش کا خاتمہ

اس تحقیقات سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ تاریخ امروہہ کے مصنف نے جا بجا اپنے دفتر پارینہ مین عموماً اور خاصکر جلد اوّل کے صفحات ۲۵۸ لغایت ۲۸۰ پر سادات امروہہ کا آبائی مذہب سُنی ثابت کرنے کے لئے جو ناکام کوشش کی ہے اور جس قسم کے مادّہ فاسدہ کو پیش کیا ہے وہ درحقیقت کذب و افترا کی ایک پوٹ ہے *

اُس نے فریب خوردہ اطفال یا بازاری لوگون کی طرح اپنا متمسّک اُن عامیانہ توہمات اور قیاسات دور از کار کو قرار دیا ہے جو تحقیق کی روشنی مین بالکل بے جان اور بے ثبات نظر آتے ہین۔ بہت بڑا زور اُسکا اس امر پر تھا کہ سادات امروہہ سینکڑون کے قاضی اور مفتی بھی رہے ہین سُنّی حکومت وقت کسی شیعہ کو ایسے عہدون پر ممتاز نہ کر سکتی تھی۔ اُنمین مشائخ کرام بھی گزرے ہین۔ اگر وہ شیعہ ہوتے تو سُنی اُن سے عقیدت نہ رکھتے۔ لیکن جب تقیہ کے زبردست احتمال نے "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" کی بنا پر اُس کی ساری محنت کو بالکل اکارت کر دیا اُس کی تمام آرزوؤن پر پالا پڑگیا اور اُسے اپنا دعوی ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل قطعی میسر نہ آئی تو اُسنے بڑی جسارت کے ساتھ تقیہ کو دھوکے بازی کا مترادف قرار دیکر یہ حیلہ کیا کہ ایسا طرز عمل اُن حضرات کے "قدس اللہ اسرارہم" ہونیکے منافی ہے"

اب ہماری تقریر کے ملاحظہ کے بعد اہل انصاف خود فیصلہ کرین گے کہ آیا فی نفس الامر مسئلہ تقیہ ایک دھوکے بازی کا مسئلہ ہے یا جو شخص دھوکے بازی کے ساتھ

تقیہ کی تعبیر کرتا ہے وہ خود دہوکے باز ہے کیونکہ تبقدیر اول یہ لازم آتا ہے کہ مذہب اسلام کو دہوکے بازی کا معلم قرار دیا جائے جو تقیہ کی زور و شور کے ساتھ تعلیم دیتا ہے حالانکہ کوئی سچا مسلمان اسلام کے نورانی چہرہ پر ایسا بدنما دہبہ لگانے کی جرات نہین کر سکتا ؀

مصنف کا یہ خیال کہ تقیہ کر کے غلط مسائل کا اظہار و بیان ایسے حضرات سے جو متقی اور پرہیزگار ہون کسی حالت مین متوقع نہین ہو سکتا یا یہ کہ ایسے امور ان کی شان کے شایان نہین ہین، متعدد آیات و احادیث بلکہ خود انبیاء و مرسلین کے عمل سے باطل ہو چکا ہے لیکن ممکن ہے عالم اختصار مین مکابر مجادل کی طرف سے یہ حجت پیش کیجائے کہ ہمکو آیات و احادیث سے کیا غرض ہم تو اُسوقت تسلیم کرین گے جب کہ ہمارے فقہا یا کسی "قدس سرہ" کا کوئی فتویٰ صاف و صریح اس مسئلہ کے جواز مین دکھایا جائے لہذا آخر مین ہم اتمام حجت کے لئے فقہ حنفی کا مسئلہ بھی پیش کئے دیتے ہین ؀

جان یا مال کی حفاظت کے لئے خلاف شرع جھوٹے مسائل بیان کرنے کی بابت فقہ حنفی کا فتوے ؀	**فتاوائے قاضی خان**

جو فقہ حنفی کی ایک معتبر اور مستند کتاب ہے اُسمین یہ مسئلہ قابل ملاحظہ ہے:-

رجل دعاہ الامیر لیسئل عن اشیاء ان تکلم بما یوافق الشرع یصیبہ مکروہ فانہ لا ینبغی لہ ان یتکلم بما یخالف الحق هذا اذا کان لا یخاف القتل علی

"کسی شخص کو ایک رئیس نے اس ارادہ سے طلب کیا کہ چند مسائل اس سے دریافت کرے اور ساتھ ہی اُسنے یہ بھی ارادہ کیا کہ اگر وہ شخص اس کے سوالات کا جواب واقعی شرع شریف کے موافق دے گا تو یہ رئیس اُسکو کسی مکروہ طبع امر مین مبتلا کرے گا۔ ایسی

علےٰ نفسہ ولا اتلاف عضو ولا یخاف علےٰ مالہ۔ فان خاف ذالک فانّہ لاباس"

صورت مین اُس شخص کو یہ بات مناسب نہین کہ حق کے خلاف کوئی کلام کرے لیکن ایسا حکم اُس حالت کے تے مخصوص ہے جبکہ شخص مذکور کو نہ تو اپنے قتل کا خوف ہو نہ کسی عضو بدن کے قطع و برید کا کوئی اندیشہ ہو اور نہ اپنے مال کے ضایع ہونے کا کھٹکا ہو۔ البتہ اگر ان امور کا خطرہ پایا جائے تو ایسی صورت مین حق کے خلاف کسی بات کے بیان کرنے مین شرعاً کوئی حرج نہین ہے"۔

اب وہ **تغلقی فرمان** جس کی نقل تاریخ امروہہ کے مصنف کی نقل کے مطابق اوپر درج ہو چکی ہے، فتاوائے قاضی خان کے اس فتوی کے مقابل مین رکھکر ہر وہ شخص جو عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھتا ہے بلا تامل اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ اُس پر آشوب زمانہ مین یا جب تک اُس زمانہ کے اثرات ملک مین باقی رہے اگر بزرگانِ سادات امروہہ نے اس فتوی پر بحالت مجبوری عمل کیا ہو تو اُنکا یہ فعل بالکل حق بجانب تھا اور یہ کہ ایسے فعل سے ان حضرات کے تدیّن اور تقدس پر کوئی حرف نہین آسکتا۔

آخر الکلام | اس کشف حقیقت کے بعد تاریخ امروہہ کا مصنف غیظ انفعال مین بے اختیار اپنی داڑھی اور مونچھون کے بال خود اپنے ہاتھون سے نوچے گا۔ اور در و دیوار سے اپنے سر کو ٹکرائے گا کیونکہ اس کے تمام مکائد کی بنیاد خود اسی کے ہاتھون بکلی منہدم اور مستاصل ہو چکی ہے اس کے علاوہ جن نواصب لئام کے بتائے ہوئے محض چند طفلانہ استبعادات و ہذیانات کی بنا پر اُسنے اپنی ذاتی عقل و فہم کو بالائے طاق رکھکر مذہب شیعہ کی توہین و تہجین کا قصد کیا تھا اب برائی العین مشاہدہ کر کے کہ وہ مزخرفات خود نہین

کی تفضیح وتکذیب اور تجہیل وتحمیق کا سبب ثابت ہوئے' غالباً وہ اس خطرناک مصنف کا قیام معاویہ بلڈنگس مین جہان کہ اُسنے پناہ لی تھی' ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہ کرین گے اور اس کی وہی مثال ہوگی کہ ازین سو ماندہ وازان سو راندہ ÷

قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور

کوسِ شہرت نتوان زد بہ بیان دگرے
چند چون کوہ بنالی بہ فغانِ دگرے

نشود شعر کس از معنی مردم رنگین
زندگانی نتوان کرد بجان دگرے۔

بے سوادیست ولاخواندہ مردم خواندن
چند ناخواندہ روی بر سرِ خوانِ دگرے

تا بکے مایہ ز مردم بود و دست ز تو
چہ کنی دست فروشی زدکان دگرے

بر صریحیست کہ از غایت بمغز یہا است
ہمچو نے زمزمہ کردن زدہان دگرے

بہرکیف جن حضرات کو مصنف کی عباسیت مین کلام ہے اور اس کی شرافت و نجابت مین طرح طرح کے شبہات رکھتے ہین' ہمارے خیال مین اُن کے لیے اس نزاعی معاملہ کا فیصلہ اب بہت آسان ہوگیا ہے۔ ہمین یقین ہے کہ اگر فی الواقع مصنف کا شجرہ نسب کسی اشرف وانجب خاندان سے اتصال رکھتا ہے جیسا کہ اُس کا دعویٰ ہے تو مقتضائے شرافت کی بنا پر غیرت دار مصنف یا تو ہماری اس مختصر تحریر کی تصدیق کرکے اپنے خرافات کی تردید خود اپنے قلم سے لکھکر شایع کرے گا یا جو دلائل قاطعہ جناب عباسؓ کی شیعیت اور تقیہ کی مشروعیت کے ثبوت مین بالاجمال ہم نے تحریر کئے ہین اُنکا مفصل اور معقول جواب تحقیقی ایمانداری کے ساتھ جلد سے جلد شایع کرکے اپنی صداقت اور طیب ولادت کا ثبوت پیش کرے گا۔ لیکن ہم اُسے ایک امر حق کا یقین دلاتے ہین کہ انشاءاللہ ہماری یہ پیشین گوئی پوری ہوکر رہے گی کہ اگر وہ تمام

عالم کے نواصب کو مجتمع کر کے ہمارے دلائل کو منقوض کرنا چاہے تاہم محال ہے کہ کسی طرح وہ اسپر قادر ہو سکے ۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارة اعدت للکافرین ۔

وھذا اٰخر الکلام فی ھذا المقام واللہ ولی التوفیق والانعام والصلوٰة والسلام علی رسولہ واٰلہ الکرام وانا العبد القاصر العاثر السید محمد رضا بن السید زاھد حسین النقوی غفرلھما العلی القوی ۔



تحفة الکتاب

نمبر (۱)

ذرّیتہ رسولؐ پر عباسیوں کے مظالم کا بالاجمال ایک وحشتناک نظارہ

(۱) تاریخ ابو الفدا مین ہے:-

توفی موسی الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب ببغداد فی حبس الرشید	امام موسی الکاظم بن امام جعفر الصادق بن امام محمد بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب نے بمقام بغداد خلیفہ ہارون رشید عباسی کے قیدخانہ مین وفات پائی"

(۲) اور تاریخ الخمیس مین ہے:-

یقال ان یحیی بن خالد البرمکی سمہ ای موسی الکاظم فی رطب بامر ھارون الرشید	"کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید عباسی کے حکم سے یحیی بن خالد برمکی نے امام موسی کاظم کو رطب مین زہر دیا"

(۳) اور کتاب انساب سمعانی مین ہے:-

مات علی بن موسی الرضا بطوس یوم السبت آخر یوم من سنۃ ثلاث و مائتین قد سم فی ماء الرمان اسقی	"امام علی بن موسی الرضا نے بزمانہ خلافت مامون عباسی بمقام طوس زہر سے وفات پائی جو آپ کو آب انار مین پلایا گیا تھا"

(۴) اور وسیلۃ النجاۃ علامہ محمد مبین لکھنوی فرنگی محلی مین ہے:-

ومعتصم در ہمین سال (۲۲۰ھ) آنحضرت (امام محمد تقی) را شہید کردہ	خلیفہ معتصم عباسی نے ۲۲۰ھ مین امام محمد تقی کو شہید کیا۔

(۵) اور الفرع النامی علامہ نواب صدیق حسن خان مین ہے:-

معتصم عباسی اورا (امام محمد تقی را) بزہر کشت	خلیفہ عباسی معتصم باللہ نے امام محمد تقی کو زہر سے شہید کیا۔

(۶) اور تاریخ الکامل ابن اثیر جزری مین ہے:-

وفی سنۃ ست وثلاثین ومائتین امر المتوکل بهدم قبر الحسین بن علی علیه السلام وهدم ما حوله من المنازل والدور وان یبذر موضع قبره وان یمنع الناس من اتیانه فنادی بالناس فی تلك الناحیة من وجدناه عند قبره حبسناه فهرب الناس وترکوا زیارته"	۲۳۶ھ مین متوکل عباسی نے حکم دیا کہ حسین بن علی علیہ السلام کا مزار اور اُس کے گرد کے مکانات وغیرہ منہدم کرکے وہان زراعت کی جائے اور لوگون کو اُس مقام پر جانے کی ممانعت کرکے یہ منادی کرائی کہ جو شخص وہان دکھائی دے گا۔ وہ قید کیا جائے گا۔ چنانچہ اس منادی سے لوگ اس قدر خائف ہوئے کہ اُنہون نے قبر امام حسینؑ کی زیارت کو ترک کر دیا۔"

(۷) اور تاریخ ابو الفدا مین ہے:-

وفی سنة اربع واربعین ومائتین قتل المتوکل ابا یوسف یعقوب المعروف بابن السکیت لانه قال له ایما احب الیك ابنای المعتز والمؤید ام الحسن	۲۴۴ھ مین متوکل عباسی نے ابن سکیت شاعر کو مروا ڈالا جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک روز متوکل نے اُس سے پوچھا کہ تجکو میرے دونو بیٹے معتز اور موید زیادہ محبوب ہیں یا حسن وحسین فرزندان علی؟

والحسين فقال له ابن السكيت والله ان قنبر خادم علي خير منك ومن ولديك فقال المتوكل سلوا لسانه من قفاه ففعلوا ذلك فمات من ساعته۔	ابن سکیت نے کہا کہ خدا کی قسم میرے نزدیک علی کا خادم قنبر بھی تجھ سے اور تیرے بیٹون سے بہتر ہے۔ یہ سنکر متوکل نے ابن سکیت کی زبان گدی کی طرف سے کھچوالی اور وہ اُسی وقت مر گیا۔

(۸) اور حیوٰۃ الحیوان دمیری مین ہے:۔

كان المتوكل يبغض عليا رضي الله تعالىٰ عنه وينقصه۔	متوکل عباسی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھتا تھا اور اُن کی منقصت کیا کرتا تھا

(۹) اور تاریخ الکامل ابن اثیر جزری مین ہے:۔

كان المتوكل شديد البغض لعلي بن ابي طالب عليه السلام واهلبيته۔	متوکل کو حضرت علی بن ابی طالب اور اُن کے اہلبیت سے شدید بغض تھا۔

(۱۰) اور محقق ابو شکور سالمی حنفی کتاب تمہید مین فرماتے ہین کہ

قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ بِاَنَّ الْخِلَافَةَ لِبَنِي الْعَبَّاسِ حَقٌّ وَاَمْرُهُمْ نَافِذٌ	اہل سنت وجماعت کا قول ہے کہ بنی عباسؓ کی خلافت برحق اور اُن کا حکم نافذ ہے۔

لحاقۃ الکتاب

نمبر (۲)

(متعلقہ صفحہ ۵۲)

عترت و اہلبیت کے علانیہ شیعہ ہونیکا ایک ور روشن ثبوت

سیرۃ العباس اور تاریخ امروہہ کے مصنفین کا یہ ادّعاے لسانی کہ جناب عباسؓ عترت و اہل بیت نبوۃ مین داخل ہین ہمین پھر اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہم حضرات اہل بیتؑ کے محض بعض عقائد کے بیان پر جو سنیون کے مذہب کے علانیہ خلاف اور شیعون کے مسلک کے مطابق ہین اکتفانہ کرین بلکہ ساتھ ہی اُن کے عمل کی دو ایک ایسی واضح مثالین پیش کرین جس سے انکا شیعہ ہونا آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہوجائے

غالباً تمام فرق اہل سنت مین یہ امر علی العموم مسلم ہے کہ اذان مین کلمہ حی علی خیر العمل کہنا شیعون کے مخصصات سے ہے سُنی اس کلمہ کو بدعت و تشریع جانتے اور اس کے قائل کو رافضی اور بدعتی کا خطاب دیتے ہین۔

اب قابل تحقیق یہ امر ہے کہ عترت و اہل بیت نے اس مسئلہ میں کیا فیصلہ کیا تھا۔ اور خود اُن کا عمل کیا تھا تاکہ اُن کے مذہب کی صیح تشخیص و تحقیص مین کسی اشتباہ اور نزاع کی گنجایش باقی نہ رہے۔

مذہب اہل بیت کی روسے اذان مین کلمہ حی علی خیر العمل کا اثبات!	(۱) جمع الجوامع سیوطی مین ہے کہ:۔

اخرج ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن جعفر عن ابیہ ومسلم بن ابی مریم ان علی بن الحسین کان یوذن فاذا بلغ علی الفلاح قال حی علی خیر العمل ویقول ھو الاذان الاول

امام محمد باقرؑ اور مسلم بن ابی مریم سے مروی ہے کہ جب امام زین العابدینؑ اذان کہتے تھے تو حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل بھی کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اذان سابق یہی ہے۔

(۲) اور علامہ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المشہور بہ سیرۃ الحلبیہ مین فرماتے ہین کہ:-

نقل عن ابن عمر وعلی بن الحسین رضی اللہ تعالی عنہم انھما کانا یقولان فی اذانیھما بعد حی الفلاح حی علی خیر العمل

عبد اللہ بن عمر بن الخطاب اور علی بن الحسین (زین العابدین) رضی اللہ تعالی عنہم سے منقول ہے کہ یہ دو نو حضرات اذان مین بعد حی علی الفلاح کے حی علی خیر العمل کہتے تھے۔"

(۳) اور امام شوکانی نیل الاوطار مین لکھتے ہین کہ:-

اخرج البیہقی فی سننہ الکبری باسناد صحیح عن عبد اللہ بن عمر انہ کان یوذن بحی علی خیر العمل احیانا وروی فیھا عن علی بن الحسین انہ قال ھو الاذان الاول

وقد ذھبت العترۃ الی اثباتہ وانہ بعد قول المؤذن حی علی الفلاح قالوا یقول مرتین حی علی خیر العمل

امام بیہقی نے اپنی سنن کبری مین باسناد صحیح روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عمر اذان مین کبھی کبھی حی علی خیر العمل کہتے تھے اور سنن بیہقی مین یہ بھی مروی ہے کہ امام علی بن الحسین زین العابدین نے فرمایا کہ اذان اول یہی ہے۔

(امام شوکانی کہتے ہین کہ) بہ تحقیق مذہب اہل بیت یہی ہے یعنی یہ کہ بعد حی علی الفلاح کے حی علی خیر العمل کہنا چاہیے۔"

اول الذکر دو حوالجات تصریحاً ظاہر کرتے ہین کہ علاوہ حضرت عبد اللہ بن عمر صحابی

کے ائمہ اہل بیت مین جناب امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ آنحضرتؐ اذان مین حی علی خیر العمل کہتے تھے۔ ممکن تھا کہ صرف اسقدر ثبوت عام مسلمانون کے دلونمین جو اہل بیت نبوۃ کی معرفت سے بے تعلق ہین یہ خلش باقی رکہتا کہ اہل بیت کے ایک فرد واحد کا فعل تمام اہل بیت کا مذہب ثابت کرنیکے لئے کس طرح کافی ہو سکتا ہے لیکن آخر الذکر حوالہ اس دور از کار شبہ کا بھی موقع نہین دیتا ؞

امام شوکانی کی تحقیقات سے دو امور نہایت واضح طور پر معلوم ہوتے ہین :۔

اول یہ کہ امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اذان اول وہی اذان ہے جسمین کلمہ حی علی خیر العمل داخل ہے۔ آنحضرتؐ کے کسی قول کو اہل سنت اس حیثیت سے تسلیم نہ کرین کہ آپ ایک امام اہل بیت ہین اور حدیث ثقلین کی رو سے آپ کی اطاعت واجب ہے تاکہ ثقلین کی پیروی سے فرقہ شیعہ سے تشبہ کا الزام اُن پر عائد نہ ہو جائے لیکن اس حیثیت سے کہ اہل سنت کے مذاق پر آنحضرتؐ ایک تابعی کا درجہ بھی رکھتے ہین، اہل سنت اپنے قواعد مقررہ کی رو سے آپکے قول و فعل و تقریر کو حدیث کے مصداق سے کسی طرح خارج نہین کر سکتے اس لئے کہ

صحابی و تابعی کے قول و فعل پر حدیث کا اطلاق

اصول حدیث کی کتابون مین یہ امر طے پا چکا ہے کہ صحابی اور تابعی کے قول و فعل و تقریر پر بھی لفظ حدیث کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ ترمذی شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی کے شروع مین جو رسالہ اصول حدیث منسوب الی السید الشریف منضم ہے اُسمین صاف لکھا ہے۔

والحدیث اعم من ان یکون قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلّم او الصحابی	حدیث عام ہے اس سے کہ وہ جناب رسالتمآب صلعم کا قول یا فعل یا تقریر ہو یا کسی صحابی یا تابعی کا قول

او التابعین ونقلہم وتقریرہم"	یا فعل یا تقریر ہو"

الحاصل امام علیہ السّلام کا قول وفعل حدیث کا حکم رکھتا ہے اور اس لئے ہر طرح قابل اعتبار و اعتماد ہے اور اُس کی مخالفت یقیناً حدیث کی مخالفت ہے۔

دوم یہ کہ امام شوکانی حتماً وجزماً اہل بیتؑ کا یہ مذہب بتاتے ہین کہ اُن کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ کلمہ متنازعہ اذان مین داخل ہے اور اسی کے مطابق انکا عمل ہے اب یہ امر بالکل صاف ہے کہ اگر حضرت عباسؓ فی الحقیقت اہل بیت مین داخل ہین جیسا کہ عباسی برادران کا دعویٰ ہے تو نا ممکن ہے کہ اس واقعہ سے انکار کیا جا سکے کہ حضرت عباسؓ کا بالضرور یہ مذہب تھا کہ اذان مین حی علی الفلاح کے بعد حی علیٰ خیر العمل کہنا چاہئے اور یقیناً اسی کے مطابق آپ کا عمل تھا ورنہ وہ اہل بیت سے خارج ہونگے۔

اب تاریخ امروہہ کا مصنف ہمین بتائے کہ کیا وہ بھی حضرت عباسؓ کی طرح اسبات کا قائل ہے کہ کلمہ مذکورہ اذان مین داخل ہے؟ اور کیا واقعاً اسکا عمل اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت عباسؓ کا تھا؟ یقیناً وہ اس کا جواب اثبات مین نہین دے سکتا کیونکہ ایسا کرنے مین اس کو خود اپنے ہاتھ سے زُنارِ تسنن کو توڑ کر پھینک دینا پڑے گا۔ لامحالہ انکار کے سوا کوئی چارہ کار نہین لیکن ظاہر ہے کہ یہ صورت پہلی سے زیادہ خطرناک ہوگی۔ کیونکہ ایسی حالت مین جبکہ حضرت عباسؓ کے شیعہ ہونے کی ایک بیّن دلیل قائم ہے اِس لازمی نتیجہ سے کسی طرح مفر نہین ہو سکتا کہ شیخین محمود وفرید نے اپنے آبائے کرام کے مذہب سے خروج اختیار کیا اور اب یہ لوگ بکمال وقاحت اپنے خروج کا الزام سادات امروہہ کے سر تھوپنا چاہتے ہین۔

وما ھذا الّا الافتراء الفخیم والبھتان العظیم ٥

حضرت ابن عباسؓ کے شیعہ ہونے کی ایک اور پہچان۔

سُنی اور شیعہ کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ سُنی حضرات وضو مین اپنے پیرون کو دہوتے ہین اور شیعہ اُن پر مسح کرتے ہین۔ اگر کوئی سُنی ایسا پایا جائے جو وضو مین اپنے پائون پر مسح کرتا ہو تو عام طور پر اس کے ہم طریق لوگ بغیر اِسکے کہ اُسکے عقائد کو دریافت کرین بلا تامل اس کی بابت یہ فیصلہ کرین گے کہ یہ شخص رافضی ہوگیا ہے ورنہ اپنے پائون کو دہوتا اور مسح نہ کرتا۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذہب مین غُسل قدمین جایز نہ تھا۔

اس معیار کو لیکر ہم حضرت ابن عباسؓ کے مذہب کی جانچ کرتے ہین تو اہل سنت کی معتبر کتابین پکار پکار کر ہمین بتاتی ہین کہ آنجناب کے مذہب مین غُسل قدمین جائز نہ تھا بلکہ آپ علانیہ فرمایا کرتے تھے کہ "الوضوء غسلتان ومسحتان" یعنی وضو مین دو اعضا کا دہونا اور دو اعضا پر مسح کرنا واجب ہے" جیسا کہ تفسیر خازن اور تفسیر فتح البیان اور تفسیر درمنثور سیوطی اور تفسیر معالم التنزیل بغوی اور تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی وغیرہا مین مذکور و مسطور ہے۔

آپ کا یہ ارشاد بھی مفسرین نے نقل کیا ہے کہ:۔

عن ابن عباس قال ابی الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح"۔ (درمنثور سیوطی)	"مین کتاب اللہ مین سوائے مسح پا کے اور کوئی حکم نہین پاتا لیکن لوگون نے اُس حکم سے انکار کر دیا اور پائون دہونے لگے"

آپ نے اپنے مذہب کی جو ایک نہایت معقول دلیل بیان فرمائی ہے وہ ارباب علم کے لئے قابل غور ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

افترض الله غسلتين ومسحتين الاترى انه ذكر التيمم فجعل مكان الغسلتين مسحتين وترك المسحتين"	اللہ تعالیٰ نے وضو مین دو غسل اور دو مسح فرض کئے ہین۔ آیا تم نہین دیکھتے کہ اللہ جلّ شانہ نے جب تیمم کا ذکر فرمایا تو بجائے دو غسل کے دو مسح قرار دئے
(دُرِ منثور سیوطی)	اور دو نو مسح تیمم سے خارج فرمائے"۔

ممکن ہے ہمارے مخالفین جو حق پوشی مین ید طولی رکھتے ہین عوام کو فریب دینے کیلئے اس حیلہ سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہین کہ مسح قدمین کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے جو اقوال نقل کئے گئے ہین وہ محض روایات ہین جن کو مفسرین نے بلا تنقید درج کر دیا ہے۔ اُن حضرات مفسرین نے مقام تحقیق مین اپنا قول فیصل اور صریح اقرار نہین لکھا کہ واقعاً حضرت ابن عباسؓ کا وہی مذہب تھا جو روایات مین مذکور ہوا ہے لیکن اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ اکابر علمائے اہل سنت نے کامل تحقیق و تنقید کے بعد اس امر کا اقرار کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا مذہب درحقیقت مسح قدمین تھا جیسا کہ شیعہ امامیہ کا معمول یہی تو "من تخلف عنہا غرق وھوی" کے ڈوبتے ہوئے گروہ کے ہاتھون سے وہ تنکا بھی جاتا رہے گا جس کے سہارے سے وہ پناہ ڈھونڈھ رہے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کا مذہب مسح قدمین ہونیکی بابت ائمہ ثقات اہل سنت کا صریحی اقرار

محی السنۃ حضرت امام البغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:۔

ان المسح مذھب عبداللہ بن عباس رض وعبداللہ بن مسعود وسلمان الفارسی وابو ذر وعمار وانس بن مالک و	تحقیق امر یہ ہے کہ مسح قدمین حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعود اور سلمان فارسی اور ابوذر و عمار اور انس بن مالک اور ائمہ اہل بیت کا مذہب تھا

ائمة اهل البيت و انعقد علیہ مذھب شیعتہم الامامیہ دو ہکذا فی تفسیر الکبیر الفخر الامامہم الرازی	اور شیعہ امامیہ کا مذہب بھی اسی مذہب پر قائم ہے "

اب کہان ہین تاریخ امروہہ اور سیرۃ العباس کے مصنفین جو بکمال تبختر اپنے عباسی النسب ہونیکے مدعی ہین اور حضرت عباسؓ اور انکے فرزندون کو زبردستی سُنی بنانے کی کوشش مین سرگرم ہین۔ اب ذرا آنکھین کھول کر اپنے ائمہ دین و ملت کے صریحی اقرار کو دیکھین اور سچ سچ بتائین کہ کیا وہ بھی وضو مین اپنے پیرون پر مسح ہی کیا کرتے ہین جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا طریقہ تھا اور جس کی پیروی صرف شیعہ کرتے ہین ؟ اور اگر نہین تو ایمان کی بات کہین کہ اپنے آبائے کرام کا مذہب کس نے چھوڑا ؟

کسقدر شرمناک امر ہے کہ جن بزرگان دین کے مذہبی عقائد و اصول اور اُسوۂ حسنہ سے کھلم کھلا سرتابی اور مخالفت اور تمرّد و تنفر کیا جائے اور جنکو "رافضیت" اور "یہودیت" کا مترادف بتایا جائے بقول خود اُنہین رافضیون اور یہودیون کی طرف انتساب پر چار دانگ عالم مین فخر و مباہات کے طبل بجائے جائین۔ و ذالک من عجائب الامور وغرائب الدھور ۔

شیعون کا مذہب محض اہل بیئت کی تعلیم پر مبنی ہے اور سُنی اس کے مخالف ہین	گذشتہ چند مثالین غالباً ایک بافہم اور نکتہ شناس محقق کو اس امر کا

یقین دلانیکے لیے کافی ہین کہ مذہب شیعہ امامیہ کے اصول و فروع کلیۃً حضرات اہل بیئت کی تعلیم پر مبنی ہین جو اس امر سے ظاہر ہے کہ قدیم الایام سے یہ فرقہ جن عقائد کا پابند چلا آتا ہے اور جن امور مذہبی کا اس کے طبقہ مین رواج ہے انکا ثبوت حضرات ائمہ اہل بیئت کے مذہب سے نہایت صراحت کے ساتھ ملتا ہے اور

لاریب یہ تمام امور مذہب اہل سُنت سے مخالفتِ کلّی رکھتے ہین۔

بہت سے مسائل ایسے ہین جن مین خود علمائے اہل سنت نے علانیہ طور پر اعتراف کیا ہے کہ وہ مسائل ائمہ اہل بیتؑ سے مخصوص ہین لیکن اہل سنت نے انکو قبول نہیں کیا اور تنہا فرقہ شیعہ ان کی متابعت مین متفرد نظر آتا ہے۔ مثلاً

ابھی معلوم ہوا کہ کلمہ حیّ علےٰ خیر العمل کا جزو اذان ہونا اہلبیتؑ کا مذہب ہے جسکی بابت مذکورہ بالا شواہد مین تصریحاً بیان کیا گیا ہے کہ شیعون کے چوتھے امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السّلام کا عمل اسی کے مطابق تھا۔

اسی طرح وضو مین مسح قدمین کا واجب ہونا۔ تفسیر معالم التنزیل لبغوی اور تفسیر کبیر امام رازی کا مذکورۃ الصدر حوالہ اس بارے مین نص صریح ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کا یہی مذہب تھا۔ اس کے متعلق مزید اطمینان کے لئے امام بیتؑ کے نام کی تصریح بھی ملاحظہ ہو۔

تفسیر کبیر مین ہے :۔

نقل القفال فی تفسیرہ عن ابن عباسؓ وانس بن مالک وعکرمہ والشعبی وابی جعفر محمّد بن علی الباقر ان الواجب فیھما المسح"۔	"قفال نے اپنی تفسیر مین عبد اللہ بن عباس اور انس بن مالک اور عکرمہ اور شعبی اور امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ وضو مین پاؤن پر مسح کرنا واجب ہے۔"

ہمارا مقصود یہ ہے کہ شیعون کے پانچوین امام جناب محمد باقر علیہ السّلام کی بابت بالتصریح ثابت ہے کہ آنحضرت کے نزدیک مسح قدمین واجب ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے اور تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری وغیرہ مین اس کے کافی مؤیدات موجود ہین۔

ظاہر ہے کہ اہل سنت نے امام اہل بیت کے اس مذہب کو قبول نہین کیا اور جیساکہ تفسیر خازن مین ہے کہ۔

"ومذھب الامامیه من الشیعة ان الواجب فی الرّجلین المسح"۔

محض فرقہ شیعہ امامیہ اس مذہب سے متمسک ہے اہل سنت اس کے خلاف عمل کرتے ہین"

غسلِ مَسِ مَیّتِ اہلبیتؑ کی تعلیم ہے جس پر صرف شیعہ عامل ہین | اسی طرح شیعونکا یہ بھی ایک مذہبی شعار ہے کہ وہ جب کسی مَیّت کو غسل دیتے ہین تو اس کام سے فارغ ہوکر خود مس میت کا غسل کرتے ہین کیونکہ اُن کے مذہب مین جس مَیّت کو غسل نہ دیا گیا ہو اسکو اگر کوئی شخص مس کرے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ شیعون کے اس مسئلہ پر حضرات اہل سنت طرح طرح سے ضحکہ اوڑاتے ہین اور یہانتک اس طعن و تشنیع کو وسعت دیگئی ہے کہ ان کے پڑھے لکھے لوگون کو اس معکوس نتیجہ کے برآمد کرنے مین اصلا باک نہین ہوتا کہ مذہب شیعہ مین مَیّت کو نجس العین قرار دیا گیا ہے۔ ہمکو اس صریح اتہام پر ان حضرات سے کوئی شکایت نہین ہے کیونکہ ہم اہل بیت اطہارؑ کا مذہب اختیار کرنے سے ان کے نزدیک قصوروار ہین اور اسلئے جس عنوان سے بھی ہم پر ملامت کی جائے وہ کم ہے۔

بہرکیف قابل ملاحظہ یہ امر ہے کہ شیعہ اس مسئلہ مین بھی حضرات اہل بیتؑ سے متمسک ہین۔ کتب معتبرہ اہل سنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ رئیس اہلبیت امیر المومنین علی مرتضی علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا جو شیعون مین رائج ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل مین ہے:۔

وکان علی رضی اللہ عنہٗ اذا غسل متیا اغتسل
علی رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی کسی میت کو آپ غسل دیچکتے تھے تو خود بھی غسل کرتے تھے۔

جناب امیرالمومنین علیہ السّلام کے اس طریق عمل کو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا کے مقصد دوم مین صراحتاً تحریر فرمایا ہے اور حیف ہے کہ باوجودیکہ جناب شاہ صاحب ممدوح نے اپنی کتاب قرۃ العینین مین ماثر مرتضوی کے تحت مین آنحضرتؑ کی نسبت صریح اعتراف فرمایا ہے کہ۔

"در دعاء اللّٰھم ھولاء اھل بیتی فطھرھم تطھیرا" داخل شد بلکہ رئیس الیشانان شد و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحق او فرمودکا یحب علیّاً منافق ولا یبغضہ مومن" ازجہت آنکہ برحق عمل می کرد وشدید بود در امر اللہ"

یعنی آپ کو رئیس اہل بیت بھی تسلیم کیا ہے اور آپکے عمل کو حق بھی بتایاہے تاہم سُنی ہونے کی وجہ سے انہین یہ توفیق نہ ہوئی کہ طریقۂ اہل بیت پر خود عامل ہوتے اور اپنے مریدون کو اس کی پیروی کی ہدایت فرماتے۔

سُنی اور شیعہ کے درمیان
بخلاف اہل سنت امہات الاولاد کی بیع کا جواز مذہب شیعہ مین صورت امکان رکھتا ہے اور یہی جناب علی مرتضیٰؑ کا مذہب تھا

اس مسئلہ مین بھی اختلاف واقع ہے کہ آیا امہات الاولاد کی بیع مطلقاً ناجایز ہے یا بعض حالات مین اُس کا جواز بھی صورتِ امکان رکھتا ہے۔ اہل سنت حضرت عمر کے مذہب کے مطابق اس بیع کو علی الاطلاق ناجایز سمجھتے مین جس سے شیعون کو اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ مذہب اہل سنت مین ام الولد کی بیع کے عدم جواز کی علت

محض اُس پر ام الولد کا اطلاق ہے خواہ اُس کا بچہ زندہ رہے یا نہ رہے۔ شیعون کا مذہب اس مسئلہ مین یہ ہے کہ محض ولادت سے بیع ناجایز نہین ہوتی بلکہ اس عدم جواز مین بچہ کی زندگی شرط ہے یعنی اگر بچہ زندہ رہے گا تو آقا کے ترکہ سے یہ کنیز اپنے بیٹے کے حصہ مین پہونچکر فی الفور آزاد ہوجائیگی کیونکہ بیٹا اپنی مان کا مالک نہین ہوسکتا۔ لیکن اگر بچہ مرجائے گا تو آقا اس کنیز کو بیع کر سکتا ہے۔ اہل سنت اس جواز بیع کے مخالف ہین کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جسطرح اپنے ذاتی اختیارات حکومت سے کام لیکر اور "انا اُحَرِّمُھُمَا" فرماکر "متعۃ النساء" اور "متعۃ الحج" کو حرام کیا تھا اسی طرح اس مسئلہ کو بھی حرام فرما چکے ہین۔

کنز العمال مین ہے:-

عن ابی اسحٰق السبیعی ان ابا بکر کان یبیع امّھات الاولاد فی امارتہ وعمر فی نصف امارتہ ثم ان عمر قال کیف تباع و ولدھا حرّ فحرم بیعھا" الخ	ابو اسحاق سبیعی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے زمانہ خلافت مین اور حضرت عمرؓ اپنے نصف زمانہ خلافت تک امہات الاولاد کو فروخت کیا کرتے تھے - آخر حضرت عمر نے یہ کہکر اس کی بیع کو مطلقاً حرام کردیا کہ جس لونڈی کا بچہ آزاد ہو اس کو کسطرح فروخت کیا جاسکتا ہے"

اور اسی کنز العمال مین ہے :-

عن الحکم بن عتیبہ ان علیاً خالف عمر فی امّ الولد انّھا لا تعتق اذا ولدت لسیّدھا"	"حکم بن عتیبہ سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ام ولد کے معاملہ مین حضرت عمرؓ کی اسی طرح مخالفت کی ہے کہ وہ اپنے مالک سے محض صاحب

اولاد ہونے کی وجہ سے آزاد نہیں ہوتی ۔"

ہم کو یہان نفس مسئلہ کے متعلق بالاستیعاب بحث کرنا مقصود نہین ہے بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ رئیس اہل بیت علی مرتضی علیہ السّلام کا مذہب اس مسئلہ مین علانیہ حضرت عمرؓ کے خلاف تھا یعنی آنحضرتؑ بیع ام الولد کو بعض صورتون مین جایز سمجھتے تھے جس کو اہل سنت نے قبول نہین کیا اور محض فرقہ شیعہ اس کے جواز کا قائل ہے علامہ ابوالحسن علی بن ابی علی المعروف بہ سیف الدین الامدی جو کملائے مشاہیر اور عظمائے نحاریر اہل سنت سے ہین اپنی کتاب الاحکام مین فرماتے ہین :-

فانّ مذھب علی فی جواز بیعھن لمؑ یزل بل علیہ جمیع الشیعہ	"تحقیق امر یہ ہے کہ اہہات الاولاد کی بیع کا جواز ہمیشہ علیؑ کا مذہب رہا ہے اور اسی مذہب پر تمام فرقہ شیعہ کا اعتماد ہے ۔

مذہب اہل بیئت مین قیاس حرام ہے جیسا کہ شیعونکا مذہب ہے بخلاف اہل سنت جو اُس کے وجوب کے قائل ہین	سُنی اور شیعہ مین

ایک یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ امور دینیہ مین قیاس جایز ہے یا ناجایز اہل سنت کے مذہب مین قیاس کو اِسدرجہ اہمیت حاصل ہے کہ اُس کو حجت شرعی مانا جاتا ہے اور اُس پر عمل کرنا واجب ہے برخلاف اس کے شیعہ اُسکو قطعاً ناجایز اور حرام سمجھتے ہین ۔ شیعون کا یہ مسلک حضرات ائمہ اہل بیئت علیہم السّلام کے مذہب پر مبنی ہے جنھون نے نہایت شد و مد کے ساتھ اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے ۔

قاضی القضاۃ علامہ عبید اللہ بن محمّد العبیدی الفرغالی الحنفی المعروف بالعبری شرح منہاج الوصول الی علم الاصول بیضاوی مین مسئلہ قیاس کے مبحث مین لکھتے ہین

الحق قد اشتہر من اهل البیت کالباقر والصادق وغیرهما من الائمة رضوان الله علیهم انکار القیاس کما اشتہر من ابی حنیفه والشافعی والمالك القول بوجوب العمل به	حقیقت یہ ہے کہ ائمۂ اہل بیت مثل امام محمد باقر و امام جعفر صادق وغیرہما رضوان اللہ علیہم کیطرف سے قیاس کا انکار اسی طرح مشتہر ہو چکا ہے جبطرح کہ ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک کا یہ قول کہ اُس پر عمل کرنا واجب ہے ۔"

المختصر یہ چند مسائل دینیہ نمونہ کے طور پر غالباً ہمارے مقصود کے اثبات کے لئے کافی ہین جن سے ایک ناقد بصیر انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ خود بخود اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ فرقہ شیعہ امامیہ کے تمام اصول و فروع کا مدار عترتِ طاہرہ کی ہدایت اور تعلیم پر ہے جس سے کسی وقت بھی اس فرقہ نے روگردانی نہین کی البتہ مذہب اہلسنت شروع سے اس کی مخالفت پر مبنی ہے ۔ لہذا تاریخ امروہہ کے مصنف کا یہ دعویٰ کہ ساوات امروہہ نے اپنے آبائے کرام کے مذہب کو چھوڑ دیا اور یہ کہ فرقۂ اہلسنت اُن کے مذہب سے متمسک ہے بداہتاً محال اور ایک ایسا لغتی جھوٹ ہے جس سے زیادہ کوئی جھوٹ نہیں ہو سکتا ۔

مذہب اہل سنت کی بنیاد محض اجماعیات فاروق پر ہے اہل بیت سے اُسکو کوئی تعلق نہین	تعجب ہے کہ اس جاحد متعصب کو آج تک یہ بھی معلوم نہو سکا

کہ خود اس کے علمائے مذہب نے اس معاملہ مین کیا فیصلہ کیا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ خود حضرات علما و محققین اہل سنت پکار پکار کر کہتے اور علانیہ اقرار کرتے ہیں کہ مذہب اہلسنت کی بنیاد درحقیقت محض اجماعیاتِ فاروق پر ہے اور یہ کہ اہلبیتِ نبوۃ کی ہدایت و تعلیم سے اُس کو کچھ علاقہ و سروکار نہین ۔

اس امر کے ثبوت کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر کتاب مستطاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی سے جو حجۃ الہند اور امام اہل سنت اور (بقول مولانا شاہ عبد العزیز محدث رح) "آیتے از آیات الٰہی" یعنی مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نہایت مشہور اور معرکۃ الارا تصنیف ہے چند اقتباسات پیش کرین تاکہ ہمارے بیان کی کماحقہ تصدیق اور مصنف تاریخ امروہہ کے بے سرو پا دعوے کی باقصی الغایت تکذیب ہوجائے۔

شاہ صاحب ممدوح کتاب مذکور مین "افضلیت شیخین باعتبار نشر علوم دین" کے سلسلہ مین فرماتے ہین :-

وبعد از قرآن عظیم حدیث آنحضرت ست صلی اللہ علیہ وسلم وفاروق محدثین را در آفاق فرستاد واصل علم حدیث ہمانست ازجملہ الیشان عبد اللہ بن مسعود بود در کوفہ وروایت او در کوفہ ثابت است وازجملہ ایشان ابوموسیٰ وجمعے دیگر در بصرہ وہمچنان در شام جمعے از صحابہ۔ امام مرتضی در بلاد کسے را نصب نہ کرد وے در حدیث مثل عبد اللہ بن مسعود ست لیکن اینجا فرقے ہست کہ اہل حدیث آنرا میدانند وآن آنست کہ اصحاب عبد اللہ بن مسعود ثقات وفقہا اند وروات حضرت مرتضی لشکریان مستور الحال	قرآن عظیم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت فاروق نے محدثین کو اطراف عالم مین بھیجا۔ حدیث کی اصل یہین سے معلوم ہوتی ہے۔ اُن محدثین کے گروہ مین عبد اللہ بن مسعود وہ بزرگ ہین جن کا قیام کوفہ مین تھا اور کوفہ مین اُن کی روایت ثابت ہے ابوموسیٰ اور بصرہ وشام کے دیگر اصحاب کے گروہ انہی محدثین مین سے ہین۔ لیکن مرتضیٰ نے اپنے زمانۂ خلافت مین کسی شخص کو اس کام کے لئے معین نہین کیا۔ علم حدیث مین خود مرتضیٰ کا درجہ عبد اللہ بن مسعود کی مثل ہے ہان اہل حدیث

وحدیث مرتضی بدرجه صحت نرسیده
است × × × واما اہل مدینہ واہل
شام از حضرت مرتضی حدیث ندارند
الا قلیلے و بعد از قرآن وحدیث مدار اسلام
بر فقه است و امہات فقه مسائلِ اجماعیۂ
عمر فاروق است و اگر اکثر اہل اسلام
را بنظر امتحان نگاہ کنی حنفیان و مالکیان و
شافعیان اند- اما مذہب مالک پس مبنائے
ان موطا است و در موطا از روایت مرتضی
بجز چند حدیث مرفوعہ و چند اثر شمردہ
شدہ منقول نیست و ہمچنین در مسند ابی
حنیفه و آثار امام محمد که مبنائے فقه
حنفیه است از روایت مرتضی بجز چند حدیث
مرفوع و چند اثر شمردہ شدہ زیادہ
از انچه در موطا است بقلیلے منقول نیست
وہمچنین در مسند شافعی که مبنائے مذہب
شافعیه است از روایت مرتضی بجز چند
حدیث مرفوع و چند اثر موقوف که بہ نسبت
احادیث مرویہ از دیگران در نہایت

کے نزدیک ایک فرق ضرور ہے وہ یہ کہ عبداللہ
بن مسعود کے اصحاب نہایت معتمد اور فقیہ لوگ ہین اور
حضرت مرتضی کے رُواۃ گمنام لشکری- اسکے علاوہ
مرتضی کی حدیث مرتبہ صحت تک نہیں پہونچی
× × × اہل مدینہ اور اہل شام نے تو بجز معدودے
چند حضرت مرتضی سے احادیث لی نہیں ہین. قرآن
وحدیث کے بعد اسلام کا دار ومدار علم فقہ پر ہے اور
فقہ کے تمام بنیادی مسائل عمر فاروق کے
اجماعیات ہین اگر امتحان کی نظر سے دیکھا جائے تو
زیادہ تر اہل اسلام حنفی شافعی اور مالکی ملین گے
چنانچہ مذہب مالک کی بنا مؤطا پر ہے جسمین کچھ مرفوع
احادیث اور چند گنے چنے منقولات کے سوا روایات
مرتضی کا کہین نام بھی نہین . اسی طرح مسند
ابی حنیفہ اور آثار امام محمد جن پر مذہب حنفی کی بنیاد
ہے اُنمین بہی مرتضی کی روایات چند مرفوعات
اور بعض مقامات پر کچھ گنے چنے منقولات کے سوا جو
کچھ مؤطا مین ہے اُس سے ایک شمہ برابر بھی زیادہ
منقول نہیں. اسی طرح مسند شافعی جس پر مذہب
شافعی کی بنیاد ہے اُسمین بھی بعض مرفوع احادیث

قلت است منقول نیست - × × ×

وکسے کہ بر اصول وامہات این مذاہب اطلاع

دارد شک نمیکند درآنکہ اصل این مذاہب

مسائل اجماعیہ فاروق است وآن مانند امر

مشترک است درمیان ہمہ آنہا - بعد ازان

اعتماد بر فقہاء صحابہ از اہل مدینہ مانند ابن عمر و

عائشہ وفقہاء سبعہ از کبار تابعین مدینہ

وزہری ومانند آن از صغار تابعین مدینہ

اصل مذہب مالک است کہ صورت خاص

مذہب او ازان پیدا شدہ ہمچنین اعتماد

بر فتاوی عبد اللہ بن مسعود در غالب حال و

بر قضایائے مرتضی در بعض احوال بان شرط

کہ اصحاب عبد اللہ بن مسعود روایت کردہ

باشند واثبات نمودہ - وبعد ازان

بر تحقیقات ابراہیم نخعی وشعبی وتخریجات ایشان

اصل مذہب ابی حنیفہ است کہ سبب آن

صورت خاص مذہب او پیدا شدہ ہمچنین

تفتیش معتمد فقہائے مکہ ومدینہ وعرض اقوال

ایشان بر احادیث مرفوعہ وتنقیف آنہا بر

اور کچھ اثر موقوف کے سوا جو دوسروں کی روایات

کی نسبت بہت کم ہی اور کچھ بھی منقول نہین × ×

جو شخص ان مذاہب کے بنیادی اصول سے واقف ہے وہ

اس امر مین ذرا بھی شک نہین کر سکتا کہ ان تمام

مذاہب کی بنا مسائل اجماعیہ فاروق پر ہے اور

گویا ان مذاہب کے درمیان یہی ایک امر مشترک ہے -

اس کے بعد مدینہ کے فقہاء صحابہ مثلاً ابن عمر اور

عائشہ یا کبار تابعین مدینہ مین فقہاء سبعہ اور صغار

تابعین مین زہری وغیرہ پر اعتماد کرنا مذہب مالک

کا اصول ہے اور اسی سبب سے ان کے مذہب کی ایک

خاص صورت پیدا ہو گئی ہے - اور اسی طرح اس مذہب

مین زیادہ تر فتاوائے ابن مسعود پر اعتماد کیا جاتا ہی اور کم تر

قضایائے مرتضی پر اور وہ بھی اس شرط پر کہ عبد اللہ

بن مسعود کے اصحاب نے اسکی روایت کی ہو اور اسکا اثبات کیا ہو

علی ہذا القیاس ابراہیم نخعی اور شعبی کی تحقیقات اور

ان کی روایات پر مذہب ابی حنیفہ کی بنیاد ہے جس

کے سبب سے ان کے مذہب نے ایک صورت خاص اختیار کر لی ہے

اسی طرح معتمدین فقہائے مکہ و مدینہ کی تحقیق وتفتیش،

ان کے اقوال کا احادیث مرفوعہ سے مقابلہ اور

قواعد اصول و تطبیق مختلفات از آنہا و مانند
آن سبب صورت خاص مذہب شافعی
شدہ است و جمع و تنقیح احادیث مرتضی
و آثار مرتضی نیست اما اینمعنی را بجز ماہر در
اصول و امہات این مذاہب نمی تواند
شناخت × × × اما فقہا پس اشہر ایشان
حنفیان و شافعیان و مالکیان اند و بنائے
مذہب ایشان اجماعیات فاروق است و
امہات کتب ایشان از مرتضی روایت نہ
دارند الا اندکے ۔

و کسے کہ درینجا شبہہ دارد گو موطا و
مسند شافعی و آثار امام محمد و مسند
ابی حنیفہ ببین ۔

و اما محدثین پس اقوی حدیث و اکثر آن
پیش ایشان روایت ابوہریرہ و ابن عمر
و عائشہ و عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن
عباس و انس و ابو سعید خدری و جابر است
و ایشان مسمی بہ مکثرین اند و بعد از ایشان
جمعے کہ فاروق ایشان را در آفاق نصب

علم اصول کے قواعد سے ان کی تطبیق نیز مختلفات
کی باہم توفیق ان تمام امور نے مذہب شافعی کی ایک
خاص صورت پیدا کر دی ہے۔ اسمین کہین احادیث
مرتضی اور آثار مرتضی کی جمع و تنقیح کا نام
بھی نہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس راز کو اُس
شخص کے سوا کوئی نہین پہچان سکتا جو ان مذاہب کے بنیادی
اصول کا ماہر ہو × × × رہے فقہا انمین مشہور ترین
حنفی، شافعی اور مالکی ہین جن کے مذہب کی بنیاد اجماعیات
فاروق پر ہے اور اُن کی بنیادی کتابین
معدودے چند احادیث کے سوا روایت
مرتضی سے بالکل خالی ہین۔ اگر کسی صاحب
کو اس امر مین کوئی شبہ ہو تو انکو چاہیے کہ موطا اور
مسند شافعی اور آثار امام محمد اور مسند ابی حنیفہ کا مطالعہ
فرمالین۔ محدثین کے پاس بھی قوی ترین اور بکثرت
احادیث ابوہریرہ ابن عمر، عائشہ، عبد اللہ بن مسعود،
عبد اللہ بن عباس، انس، ابو سعید خدری اور جابر سے
مروی ہین۔ انکو مکثرین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے
اُن کے بعد وہ گروہ ہے جس کو عمر فاروق نے اطراف
عالم مین مقرر کیا تھا۔

کرده بود چون ابو موسی به بصره و ابو درداء بشام و عبد الله بن عمرو بن العاص و علی هذا القیاس - و چون بتحقیق در می نگریم علم همه ایشان مستمد است از شیخین یا آنست که از شیخین روایت کرده اند و ارسال نموده	مثلاً بصرہ مین ابو موسیٰ، شام مین ابو درداء اور عبد اللہ ابن عمر اور ابن عاص وغیرہ اور ایک تحقیقی نظر ڈالنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اُن تمام لوگونکا علم حضرات شیخین سے مستفاد ہے۔ اُنھون نے یا تو خود حضرات شیخین سے روایت کی ہے اور سلسلہ روایت کو مرسل کیا ہے۔

حضرت فاروقؓ کے معتمدین کھلم کھلا علی مرتضیٰؑ سے مخالفت اور بغض و عناد رکھتے تھے

استیعاب علامہ ابن عبد البر مین ہے :-

کان ابو موسیٰ الاشعری منحرفا عن علی۔	"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ علی مرتضیٰ سے منحرف تھے"

اور دول الاسلام ذہبی مین ہے :-

تخلف عن بیعة علی جماعة من سادة الصحابة منهم سعد بن ابی وقاص سعید بن زید و ابن عمر و ابو موسی الاشعری	"جن صحابہ کبار نے حضرت علی کی بیعت سے کنارہ کشی کی اُن مین سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید اور عبد اللہ بن عمر اور ابو موسیٰ اشعری بھی تھے۔

اور اسد الغابہ ابن اثیر جزری مین ہے :-

تخلف عن بیعته جماعة من الصحابة منهم ابن عمر و سعد بن ابی وقاص	"صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت علی کی بیعت سے تخلف اختیار کیا جسمین عبد اللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص بھی تھے"

اور تاریخ ابن جریر طبری مین ہے :-

بایع الناس علیا بالمدینة وتربص	مدینہ مین لوگون نے حضرت علی کی بیعت کی لیکن

یا آنست کہ اصل حدیث ایشان را مسموع بود از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اما تحقیق و تثبیت کردہ اند آنرا از شیخین - و اہل مدینہ و اہل شام و اہل یمن و اہل مصر از مرتضی روایت ندارند الا در غایت قلت و اہل کوفہ روایت دارند اما بپیش محدثین اکثر رواۃ حضرت مرتضی مستور الحال اند غیر حفاظ و روایت از مرتضی بپیش ایشان صحیح نشدہ است الا از قبل اصحاب عبد اللہ بن مسعود۔

یا ایسی صورت ہے کہ اصل حدیث کو تو انہون نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا لیکن اس کے بعد حضرات شیخین کے ذریعہ سے اسکو مزید تحقیق کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہونچایا ہے - مدینہ، شام یمن، اور مصر کے لوگون کے پاس تو مرتضی کی روایات بہت ہی کم ہین ہان اہل کوفہ کے پاس کچھ زیادہ روائتین ہین لیکن محدثین کے نزدیک حضرت مرتضی کے رُواۃ زیادہ تر گمنام اور غیر حفاظ ہین اور انکے نزدیک مرتضی کی روایت مرتبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵)

سبعۃ نفر فلم یبایعوہ منہم سعد بن ابی وقاص ومنہم ابن عمر“

سات آدمیون نے بیعت نہین کی جنمین سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ ابن عمر بھی تھے“

اور مروج الذہب مسعودی مین ہے :۔

فقعد عن بیعتہ جماعۃ عثمانیہ منہم سعد بن ابی وقاص وعبد اللہ بن عمر و بایعا یزید بعد ذالک“

”ایک جماعت عثمانیہ نے حضرت علی کی بیعت سے کنارہ کشی کی جس مین سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن عمر بھی تھے اور ان دونون صاحبون نے بعد مین یزید بن معاویہ کی بیعت کا شرف حاصل فرمایا“

اور ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی مین بروایت ابن ابی شیبہ مذکور ہے کہ

قال طلحۃ بایعت وعرفت انہا بیعۃ ضلالۃ“

طلحہ رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ مین نے علی کی بیعت کی مگر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ بیعت ضلالت ہے“

عن ابن عباس قال سمعت المغیرہ یقول لم یکن یصدق علی فی الحدیث عنہ الا من اصحاب عبداللہ بن مسعود اخرجہ مسلم فی مقدمۃ صحیحہ۔

وچون حضرت مرتضی در خطب و مجالس شیخین حاضر می شد و در مشاورہ مسائل فقہیہ

صحت تک نہین پہونچی ہان وہ روایت جو عبداللہ بن مسعود کے اصحاب سے مروی ہو صحیح قبول کی جاسکتی ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح مسلم کے مقدمہ مین تحریر فرماتے ہین ابن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہین کہ مین نے مغیرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹)

حضرت فاروق رض کے خلف الرشید حضرت عبداللہ رض نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بطیب خاطر بیعت کر لی مگر علی مرتضی کی بیعت کرنا پسند نہ فرمایا

علامہ حافظ ابن عبدالبر کتاب استیعاب میں لکھتے ہیں:۔

وقیل لنافع ما بال ابن عمر بایع لمعاویۃ ولم یبایع علیا کرم اللہ وجہہ فقال کان ابن عمر رض لا یعطی یدا فی فرقۃ ولا یمنعہا من جماعۃ ولم یبایع معویۃ حتی اجتمع علیہ

نافع سے کسی نے پوچھا کہ ابن عمر نے یہ کیا حرکت کی کہ معاویہ کی تو بیعت کر لی اور (خلفائے راشدین کے چوتھے خلیفہ) علی کرم اللہ وجہہ کی انہون نے بیعت نہ کی ؟

نافع نے جواب مین کہا کہ ابن عمر کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی فریق کے معاملہ مین نہ تو خود دست اندازی کرتے اور نہ کسی جماعت کے کام مین روڑا اٹکاتے تھے۔ انہون نے معاویہ کی بیعت اسوقت تک نہین کی جب تک کہ ان کی خلافت پر لوگون نے اجتماع نہین کر لیا۔"

مشارکت میکرد در امہات علم حدیث استمداد ہا
نمودہ است از شیخین چنانکہ از تتبع قراین
احوال ظاہر میشود معہذا از مکثرین نیست
واز حدیث او صحیح نشدہ است الا اندکے
بلکہ یکے از عجائب است کہ مثل ابو ہریرہ
کہ صحبت او با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
قلیل ست و درفقہ بہ پایہ ہا و بسیار فرد ست

علی کی کسی حدیث کی تصدیق نہین کی
جاسکتی جب تک کہ وہ عبد اللہ بن مسعود
کے اصحاب سے مروی نہو"
چونکہ حضرت مرتضی حضرات شیخین کی تقریرون اور صحبتون
مین حاضر ہوتے اور مسائل فقہ کی گفتگو مین شرکت
فرماتے تھے اس لئے علم حدیث کے بنیادی مسائل مین
حضرات شیخین سے انکو بہت کچھ مدد ملی ہے جیسا کہ حالاتسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳)

حضرت ابن عمرؓ نے بہ نفس نفیس یزید کی بیعت ہی پر اکتفا نہیں
کی بلکہ اس کی بیعت توڑنے والوں کو عتاب دہ تندا ربتا یا!

صحیح بخاری میں
نافع سے مروی ہے کہ

لما خلع اہل المدینہ یزید بن معاویہ
جمع ابن عمر حشمہ وولدہ فقال انی
سمعت النبی صلعم یقول ینصب
لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد
بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ
انی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل
علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال
وانی لا اعلم احدا منکم خلعہ ولا تابع فی
ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی و
بینہ

جب مدینہ کے لوگون نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے
علیحدگی اختیار کی تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے اپنی اولاد
اور متوسلین کو جمع کرکے ایک اسپیچ دی جسمین آپنے یہ ارشاد
فرمایا کہ اے لوگو مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ قیامت کے
دن ہر غدر کرنیوالے کیلئے ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا اور
جبکہ ہم یزید کی بیعت کر چکے ہین تو پھر میری رائے مین اس سے
زیادہ کیا غداری ہوسکتی ہے کہ بیعت کرنیکے بعد یزید سے
لڑائی ٹھانین پس تم مین سے جو شخص میری رائے کے خلاف
یزید کی بیعت سے علیحدہ ہوگا مین اس سے جدائی
اختیار کرونگا"

تمر از مرتضی بجز از حدیث روایت کرده باشد ثقات از دے آنرا یاد گرفته باشند و حضرت مرتضی با وجود صحبت دائمه و کمال فقاہت و تمام حفظ و انفہام استماع از صدیق فاروق

قراین سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اسکے باوجود وہ مکثرین سے نہیں ہیں اور انکی بہت ہی کم احادیث صحت کی کسوٹی پر پوری اترتی ہین بلکہ عجیب و غریب بات تو یہ ہے کہ ابوہریرہ جیسے بزرگ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱

حضرت ابن عمرؓ کے مقتداؤں کا پرائیویٹ کیریکٹر | عقد الفرید ابن عبدربہ میں ہے

وكتب معاوية الى عماله ان يلعنوه على المنابر ففعلوا

معاویہ نے ہر طرف اپنے عمال کو لکھ بھیجا تھا کہ منبروں پر حضرت علی کی نسبت کلمات لعن استعمال کرین چنانچہ اس پر عملدرآمد ہوتا رہا۔

اور تاریخ ابو الفدا مین ہے:۔

كان معاوية وعماله يدعون لعثمان في الخطبة يوم الجمعة ويسبون عليا ويقعون فيه"

معاویہ اور انکے عمال جمعہ کے دن خطبہ مین حضرت عثمان کو دعائین دیتے اور حضرت علی کو برا کہتے تھے"

اور تاریخ کامل ابن اثیر جزری مین ہے:۔

وكان الذى طلبه الحسن من معاوية ان يعطيه ما فى بيت مال الكوفه و خراج دارابجرد من فارس وان لا يسب عليا فلم يجبه الى الكف عن سب على فطلب الحسن ان لا يشتم عليا وهو يسمع فاجابه الى ذلك ثم لم يف له به۔

امام حسنؑ نے معاویہ سے یہ درخواست کی تھی کہ جوکچھ کوفہ کے بیت المال مین ہے اور خراج دار آبگرد فارس انکو دیا جائے اور حضرت علی کی نسبت الفاظ سب وشتم نہ استعمال کیے جائین مگر معاویہ نے اسکو منظور نہ کیا۔ تب امام حسن نے چاہا کہ کم سے کم ان کے سامنے کوئی شخص حضرت علی کو برا نہ کہے معاویہ نے مان تو لیا مگر اس پر بھی عمل نہ کیا"

بسیارے را از حدیث باسموعات خویش و عدم مانع از روایت که عبارت از قلت بقا است بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در صدیق اکبر

جنکو آنحضرت صلعم کی صحبت بھی کم ملی ہو اور نقرین مرتضی کی نسبت اُنکا مرتبہ بھی بدرجہا پست ہو وہ تو پانچ ہزار احادیث کی روایت کرین اور نہایت معتمد لوگ اُن سے اُن پانچہزار حدیثو نکو یاد بھی کر لین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲)

اور مروج الذہب مسعودی مین ہے:-

ان امرأته جعدة سقته السم وقد كان معاوية دس اليها انك ان احتلت فی قتل الحسن وجهت اليك بمائة الف درهم و زوجتك يزيد

"معاویہ نے خفیہ طور پر جعدہ زوجہ امام حسنؑ سے کہلا بھیجا کہ اگر حسن کے قتل مین تیرا کوئی حیلہ کارگر ہو جائے تو مین تجھے ایک لاکھ درہم انعام دونگا اور تیرا نکاح یزید کے ساتھ کر دونگا (چنانچہ اسنے زہر دیدیا)

اور عقد الفرید ابن عبدربہ اور تاریخ ابوالفدا مین ہے:-

لما بلغ معاوية موت الحسن خرّ ساجداً لله۔

"معاویہ نے حضرت امام حسنؑ کی خبر وفات سنکر سجدۂ شکر ادا کیا"

اور شرح عقائد نسفی میں ہے:

وبعضهم اطلق اللعن عليه (يزيد) لما انه كفر حين امر لقتل الحسين واتفقوا على جواز اللعن على من قتله امر به واجازه ورضى به والحق ان رضاء يزيد بقتل الحسين

"بعض علمانے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت اُسنے حسینؑ کے قتل کا حکم دیا وہ کافر ہو گیا۔ اس بارہ مین تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے آنجناب کو قتل کیا اور قتل کا حکم دیا اور اس کی اجازت دی اور اُس پر

بوده است یا اشتغال بامور ناس
در تمام عمر خود چنانکه در فاروق بود یا
قلت اشتغال بمشاورت در مسائل
فقهیه چنانکه در طلحه و زبیر بود و مدتہائے
دراز بمدینه باشد و روایت نکند
و مردمان از وے حدیث یاد نگیرند باز
در کوفه چون روایت کند حدیث او تا
پانصد نه رسد و آن نیز مختل گردد و
بشرط صحت نرسد الا قلیلے ولکن الله
یفعل ما یرید۔

اور حضرت مرتضیٰ باوجودیکہ ہمیشہ نبی کریم کی صحبت میں رہے اور
کامل فقیہ ہوئے اور اپنی ذاتی مسموعات کے علاوہ حضرات صدیق
اور فاروق سے بھی سن کر احادیث کو پوری طرح حفظ کیا ہو نیز
روایت سے انہیں کوئی مانع بھی نہ ہو یعنی آنحضرت صلعم کے بعد
صدیق اکبر کیطرح انکی مدت حیات بھی کم نہ ہو فاروق کی مثل تمام عمر
امور مملکت میں بھی مشغول نہ رہے ہوں اور طلحہ و زبیر کی طرح فقہی مسائل کی
مشاورت بھی کم نہ رہی ہو پھر بھی مدتوں مدینہ میں رہیں اور روایت
نہ کریں اور لوگ اُن سے حدیث یاد نہ کریں پھر کوفہ میں روایت بھی
کریں تو اُن کی تعداد پانچسو تک بھی نہ پہنچے اور وہ روایات بھی کچھ
تھوڑی سی چھوڑ کر تمام مختل اور شروط صحت سے عاری ہوں لیکن اللہ صاحب
کرتے ہیں جو اُن کا ارادہ ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳)

واستبشاره بذلك واهانته
اهل بيت النبي عمما
تواتر معناه وان
كان تفاصيله احادا فنحن
لانتوقف في شانه بل في
ايمانه لعنة الله عليه و
على اعوانه۔"

رضامند ہوا اُس شخص پر لعنت کرنا جایز ہے۔
اور حقیقت یہ ہے کہ حسینؑ کے قتل سے یزید کا راضی
ہونا اور اُس پر اُسکا خوش ہونا اور اہل بیت رسول
کی توہین کرنا یہ ایسے .... واقعات ہین جو معناً
تواتر کی حد کو پہونچ گئے ہین اگرچہ انکی تفاصیل کا ثبوت
روایات احاد سے ہوتا ہو۔ لہذا ہم اُس کے حق مین
بلکہ اُس کے ایمان مین اصلا توقف نہیں کرتے
خدا لعنت کرے اُس پر اور اُس کے معاونین پر۔"

واما اصولیین۔ پس اول کسے کہ قواعد کلیہ آن
علم ضبط نمودہ است شافعی است۔ در
مقدمہ کتاب ام و در رسالہ کہ برائے عبدالرحمن
بن مہدی نوشتہ و آنچہ از اصول ترتیب
کتاب و سنت و اجماع و قیاس آوردہ
ہمہ ماخوذ است از کلام شیخین و مستخرج
است از صنع ایشان۔
بلکہ این فقیر تا حال مطلع نشدہ است
بر مسئلہ اصولیہ کہ ماخوذ باشد از
کلام مرتضی فقط یا مستخرج باشد از
کلام او"

اصولیین کیطرف نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے
پہلے جس شخص نے اس علم کے قواعد کلیہ کو منضبط کیا وہ
امام شافعی تھے جنہون نے کتاب ام کے مقدمہ اور
اُس رسالہ مین اسکو جمع کیا ہے جو عبدالرحمن بن مہدی
کیلئے لکھا تھا۔ انہون نے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس
کی ترتیب کے جسقدر اصول قائم کئے ہین وہ سب کے سب
حضرات شیخین کے کلام اور اُنہی کی کارگذاری سے
مستخرج ہین۔
بلکہ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو آجتک کوئی مسئلہ اصولیہ
ایسا نہین معلوم ہوا جو صرف مرتضی کے کلام سے
اخذ کیا گیا ہو یا وہ مرتضی کے کلام سے مستخرج ہو"

پھر ایک دوسرے موقع پر "کثرۃ انتفاع بالشیخین" کی بحث مین محدث ممدوح فرماتے ہین"

واکثر اہل سلام مالکیان و حنفیان و
شافعیان اند و اصل مذاہب ایشان
معتمد است بر مسائل اجماعیہ فاروق۔
بجز در مسائلے چند بر آثار مرتضی اعتماد
نہ دارند و بر دست مرتضی فتح اسلام
واقع نہ شد و در ہیچ فنے از فنون شرع
اعتماد کلّی بر آثار مرتضی بظہور نیامد و بر

اہل اسلام کی ایک بڑی تعداد مالکی حنفی اور شافعی
ہے جنکے مذاہب کے اصول مسائل اجماعیہ فاروقی پر
موقوف ہین اور وہ بجز چند مسائل کے آثار مرتضی
پر اعتماد نہین رکھتے۔ پھر مرتضی کے ہاتھ پر اسلام
کی فتح بھی نہین ہوئی اور فنون شریعت سے
کسی فن مین بھی مرتضے کے آثار پر
اعتماد کلی نہیں کیا گیا اور نہ اُن کے

دست ایشان خلافت منتظم نگشت"	ہاتھ پر خلافت کی تنظیم ہو سکی۔

پھر علامہ ممدوح اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں۔لکھتے ہیں کہ:

"خلافت برائے حضرت مرتضی منعقد نشد زیراکہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ"	حضرت مرتضیٰ کی خلافت ہی منعقد نہیں ہوئی کیونکہ اہل حل و عقد نے بر بنائے اجتہاد و نصیحت مسلمین اُن کی بیعت نہیں کی۔

عبارات مذکورہ کا نتیجہ مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی مذکورہ بالا تصریحات اس حقیقت کو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور منجلی کرتی ہیں کہ مذہب اہلسنت کا اصلی ماخذ اجماعیات فاروق ہیں اور یہ کہ کوئی فن شرعی اور صول مذہب امام اہل بیت علی مرتضی علیہ الصلوۃ والسلام سے مذہب اہل سنت میں ماخوذ اور مستخرج نہیں ہی اور نہ حضرات ائمہ اہل بیئت سے اس مذہب کو کسی طرح کا ربط اور تعلق ہے بلکہ اصول اہل سنت پر تو رئیس اہل بیئت کی خلافت ہی منعقد نہیں ہوئی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

نتیجہ مذکور کی مزید تائید یہ واقعہ کہ طریقہ حضرات اہل بیت علیہم السّلام غیر طریقہ فرقِ اہل سنت ہے ایک ایسا یقینی واقعہ ہے جو علاوہ اس امر کے کہ بنظر امعان ہر دو مذاہب کے مقابلہ سے بخوبی محسوس و مشاہد ہوتا ہے تاریخی شہادتیں بھی اس حقیقت کو کالنور علی شاہق الطور تابان اور درخشان کرتی ہیں۔ مثلاً

سیرت شیخین کی پیروی سے امام اہل بیئت کا صریح انکار اس واقعہ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ خلافت ثالثہ کے انتخاب کے موقع پر سلیکٹ کمیٹی مجوزہ حضرت فاروق کے ہوشیار اور بیدار مغز پریسیڈنٹ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

کی طرف سے خلیفۃ المسلمین کے لئے ایک لازمی شرط یہ پیش کی گئی تھی کہ سیرت شیخین پر عمل کرنا اُس کے فرائض مین داخل ہوگا۔

جو لوگ مذہبی حالات و واقعات پر بے تعصبی اور حق پسندی کی نظر ڈالنے کے عادی ہین وہ بخوبی اس راز کو سمجھ سکتے ہین کہ یہ عجیب شرط محض بلحاظ ضرورت وقت تعلیق محال بالمحال کے طور پر اختراع کی گئی تھی ورنہ اس خلافت کے بعد وہ کالعدم نہ ہوجاتی لایق پریسیڈنٹ کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ جناب علی مرتضیٰ صلوات اللہ علیہ کا مذہب حضرات شیخین رض کے مذہب سے بالکل مخالف اور مغایر ہے اور اس لئے ناممکن ہے کہ آنجناب اس شرط کو منظور فرمائین اور جب ایسا ہے تو نتیجہ مین لا محالہ خلافت حضرت عثمان کو پہونچے گی۔

یہ اعلےٰ درجہ کی سیاسی تدبیر جیسا کہ سوچا گیا تھا فوراً تیر بہدف ثابت ہوئی امام اہل بیت ع کے روبرو اس شرط کا پیش کرنا تھا کہ آپ نے بلاخوف تردید علی رؤس الاشہاد اس سے صاف انکار کردیا اور اس لئے وہ خلافت سے محروم رہے حضرت عثمان رض چونکہ حضرات شیخین رض کے مذہب پر تھے اس لئے اس کے قبول کرنے مین انہین کسی پس وپیش کی ضرورت نہ تھی۔ انہون نے بڑی خوشی کے ساتھ لبیک کہکر فوراً اس شرط کو قبول کرلیا اور انجام کار آپ خلیفہ مقرر ہوگئے۔

یہ واقعہ تاریخی اس قدر شہرت تام رکھتا ہے کہ اُس پر شواہد تاریخیہ کے اعادہ کی اس مقام پر مطلق ضرورت نہین معلوم ہوتی تاہم ناواقف لوگون کی اطلاع کے لئے شرح فقہ اکبر کی یہ مختصر عبارت کافی ہے:۔

قول عبدالرحمٰن بن عوف لعلیٍّ منہما	ترجمہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے (بروز شوریٰ ثالثہ

اولئک علی ان تعمل بکتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ وسیرۃ الشیخین فابیٰ علیؓ ان یقلدھما ورضی عثمان"	حضرت علی اور حضرت عثمان سے کہا کہ تم دونون مین سے جو شخص قرآن اور حدیث رسول اور سیرت شیخین پر عمل کرنے کا اقرار کرے گا اُس کو خلیفہ مقرر کیا جائے گا۔ اُس پر حضرت علی نے حضرات شیخین کی پیروی سے صاف انکار کیا اور حضرت عثمانؓ اس شرط پر راضی ہو گئے"

اس واقعہ سے مولانا شاہ ولی اللہؒ کے اس بیان کی پورے طور پر تائید ہوتی ہے کہ مذہب اہل سنت مین علی العموم "آثار مرتضیٰؑ" پر اعتماد نہین کیا گیا۔ اب اس اعتماد نہ کرنے کی وجہ اس واقعہ سے بخوبی منکشف ہو گئی کہ جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ حضرات شیخین کی سیرت پر عامل نہ تھے بلکہ علانیہ اس کے خلاف تھے حالانکہ مذہب اہل سنت کا مدار محض حضرات شیخین کی سیرت اور انکے اجماعیات پر ہے اور ظاہر ہے کہ دو متضاد چیزون مین اتحاد ناممکن ہے۔

تمام واقعات سے قطع نظر اگر صرف جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے اس طریق عمل پر گہری نظر ڈالی جائے تو بہت سے اسرار سربستہ کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

سیرت شیخین کی پیروی سے رئیس اہل بیتؑ کا کھلے لفظون مین انکار وہ بھی ایسے موقع پر جبکہ اُس پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے سے ایک عظیم الشان حکومت و سلطنت ملتی ہو اور انکار کی صورت مین اُس سے محرومی اور ناکامی کا یقین ہو ہر ذی تمیز کو ناگزیر اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ رئیس اہل بیتؑ علیہم السلام کے علم ویقین کی بنا پر حضرات شیخین کی سیرت قابل اعتماد نہ تھی بلکہ ان کی اجماعیات اور مصنوعات کتاب وسنت

کی مخالفت اور احداث فی الدّین پر مبنی نہین - اگر آنجناب کے نزدیک "اقتدوا
بالذین من بعدی ابی بکر وعمر" واقعاً رسول رب العالمین کا کلام ہوتا جیسا کہ
اہل سنت کا اُس پر ایمان ہے اور شیعہ جسکے منکر ہین تو ممکن نہ تھا کہ حضرات شیخین کو
واجب الاقتدا سمجھتے ہوئے آپ ان کی اقتدا سے انکار فرماتے - بہر حال یہ امر تو یقینیات
اور اجلائے بدیہیات سے ہے کہ نہ جناب علی مرتضیٰ نے حضرات شیخین رضہ کو قابل پیروی
سمجھا اور نہ حضرات شیخین رض سے تمسک رکھنے والے آثار مرتضوی کو قابل اعتماد و انقیاد
سمجھتے ہین - نتیجہ ظاہر ہے کہ دونون ایک دوسرے سے مختلف و مغایر ہین و شتان بینہما ❊

اس حقیقتِ مستورہ کے بے نقاب ہو جانے کے بعد مصنف تاریخ امروہہ کا یہ ابلہ
فریب دعوےٰ کہ سادات امروہہ نے اپنے آبائے کرام کے مذہب کو خیر باد کہدیا
ایک مجذوب کی بڑسے زیادہ باوقعت نہین رہ سکتا بلکہ مدعی کی اس صریح ناحق کوشی
اور تغلیط عوام پر ہر وہ شخص نفرین کرے گا جو دونون مذاہب کے اصول و فروع پر
کافی اطلاع رکھتا ہے اور جو اس بات سے بھی واقف ہے کہ حضرات شیخین رضہ گروہ سادات
کے آبائے کرام مین ہرگز داخل نہین ہین بلکہ انکے آبائے کرام حضرات ائمہ اہلبیت
علیہم السّلام ہین جن کی تعلیم و ہدایت پر ان کے مذہب کا دار و مدار ہے اور اہل سنت
نے جسکو ناقابل اعتماد سمجھکر پس پشت ڈال دیا ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

اس مقام پر غالباً راقم سطور کو یہ حق پہونچتا ہے کہ تاریخ امروہہ کے مصنف سے
یہ مطالبہ کرے اور پوچھے کہ اے بے سواد مصنف! تیرے پیر و مرشد اور "قدس سرہٗ" علامہ
ابن حجر مکّی نے اپنی صواعق محرقہ مین امام اہلبیت علی مرتضی علیہ السّلام کی غزارت علمیہ
لاہوتیہ اور دقائق مستنبطات کا صریح اعتراف کرتے ہوئے جو نہایت زور و شور کے ساتھ یہ ثابت کیا تھا کہ

ثم احق من یتمسک[1] به منہم امامہم وعالمہم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

اہلبیت نبوۃ مین جو شخص سب سے اول اسکا مرکا حق رکھتا ہو کہ اسکا اتباع کیا جائے وہ امام اور عالم اہل بیت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہین"

اور تیسرے پشت و پناہ شریعت دستگاہ یعنی مرجع متکلمین و محدثین اہلسنت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ مین عوام کو جو یہ باور کرایا تھا کہ

"پس معلوم شد کہ در مقدمات دینی و احکام شرعی مارا پیغمبر حوالہ باین دو چیز عظیم القدر نمودہ است پس مذہبے کہ مخالف این دو باشد در امور شرعیہ عقیدۃً وعملاً باطل و نامعتبر ست وہر کہ انکار این دو بزرگ نماید گمراہ و خارج از دین"

پس معلوم ہوا کہ دینی مقدمات اور شرعی احکام مین پیغمبر خدا نے ہمکو انہین دو عظیم الشان چیزون (قرآن و اہلبیت) کے سپرد کیا ہے۔ پس جو مذہب شرعی مسائل مین ان دونوں کے مخالف ہو وہ از روئے عقیدہ و عمل جھوٹا اور ناقابل اعتبار ہو اور جو شخص ان دو بزرگ چیزونکا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے"

یہ معمہ کسطرح حل کیا جاسکتا ہے اور ان دعاوی لسانیہ کی غرض و غایت اور مقصود اصلی کیا ہے اور اگر یہ دونون اساطین مذہب اہلسنت بلحاظ اس حقیقت نفس الامری کے جس کو مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بالکل طشت از بام کر دیا ہے "یقولون بافواہہم ما لیس فی قلوبہم" کے مصداق نہیں ہین تو آیا انکے مذکورہ بالا الفاظ کسطرح شرمندہ معنی ہو سکتے ہین؟

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہوا

فافہم وتدبر ولا تکن من المفترین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العبد القاصر محمد رضا غفر لہ

---

[1] ولا معنی للتمسک بالکتاب الا الاخذ بما فیہ من العلم والہدایۃ فکذا فی العترۃ (شرح مقاصد علامہ تفتازانی جلد ۲) یعنی تمسک بقران کے معنی اسکے سوا کچھ نہیں اکہ اس سے علم اور ہدایت حاصل کی جائے اور یہی معنی اہلبیت سے تمسک کرنیکے ہیں کہ ان سے کتاب و سنت کا علم حاصل کیا جائے

مامون عباسی کے خوف سے مُصنف تاریخ

امروہہ کے پیرانِ طریقت اور مقتدایانِ شریعت اور قدس اللہ اسرارہم کا تقیہ

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں :-

کتب المامون الیہ (ای الی نائبہ)
علی بغداد اسحٰق بن ابراہیم الخزاعی
فی اشخاص سبعۃ انفس وھم
محمد بن سعد کاتب الواقدی
ویحیٰی بن معین وابو خیثمہ
وابو مسلم یزید بن ہارون
واسمٰعیل بن داؤد واسمٰعیل
بن ابی مسعود واحمد بن ابراھیم
الدورقی فاشخصوا الیہ
فامتحنھم بخلق القرآن
فاجابوہ فردھم من الرقۃ
الی بغداد۔
وسبب طلبھم انھم
توقفوا اولا ثم
اجابوہ
تقیۃً۔

مامون رشید (خلیفہ بغداد) نے مقام رقہ سے اپنے نائب اسحٰق بن ابراہیم الخزاعی متعینہ بغداد کے پاس حکم بھیجا کہ محمد[1] بن سعد کاتب واقدی اور یحیٰی[2] بن معین اور ابو خیثمہ[3] اور ابو مسلم[4] یزید بن ہارون اور اسمٰعیل[5] بن داؤد اور اسمٰعیل[6] بن ابی مسعود اور احمد[7] بن ابراہیم دورقی کو حاضر کرو چنانچہ نائب مذکور نے اِن سب کو خلیفہ کے حضور میں بھیج دیا جب مامون کے دربار میں یہ سب علمائے کرام قدس اللہ اسرارہم حاضر ہوئے تو مامون نے مسئلہ خلق قرآن میں اُن کا امتحان لیا۔ سب نے اپنے ضمیر کے مخالف اور مامون کے موافق جواب دیا۔ یعنی قرآن کو مخلوق بتایا اور بخیریت بغداد کو واپس کیے گئے۔ اُن کی طلبی کا اصلی سبب یہ تھا کہ پہلے اُنہوں نے مسئلہ خلق قرآن کے تسلیم کرنے میں توقف کیا تھا لیکن آخر میں اُن سب نے تقیہ کر کے مامون کے عقیدے کو قبول کیا!

مصنف تاریخ امروہہ اور اُسکے ایجنٹس کو ضروری فہمائیش

تاریخ امروہہ کے مصنف اور اُسکے ذیب خوردہ ایجنٹس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ یہ رسالہ محض مصنف مذکور کے حد سے بڑہے ہوئے جہل وتعصب کے مہلک مرض کو زائل کرنے اور عوام کو اُسکے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنے کی غرض سے لکھا گیا ہے جس میں حقیقتاً انہیں کا فائدہ مدّنظر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حق کڑوا ہوتا ہے اور طبیعت ثانیہ کے خلاف ہر طریق عمل ابتدا میں عموماً ناگوار گذرتا ہے لیکن عاقبت اندیش اور سلیم الطبع لوگ ہمیشہ اپنے اصلی فائدہ اور حقیقی راحت پر نظر رکھتے ہیں اور اُس تکلیف ظاہری کو جو انہیں اپنے دیرینہ اور خود پسندیدہ خیالات کے بُطلان سے غیر متوقع طور پر پہونچتی ہے وہ اُس عارضی تکلیف واذیت کے مانند سمجھ لیتے ہیں جو ایک طبیب حاذق کے ہاتھوں عمل جراحی کے ذریعہ سے کسی ماؤف اور فاسد حصّہ جسم کے قطع وبُرید سے پہونچائی جاتی ہے جسکا نتیجہ بالآخر آرام اور سکونِ نفس ہوتا ہے۔

نظر براں ان لوگوں پر لازم ہے کہ ہمارے اس رسالہ کو غور وتدبّر کے ساتھ پڑہیں اور اپنے مفادِ آخرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کی مُطلق پروانہ کریں کہ اُن کی طبعی خواہشات اور پشتینی خیالات اُسکے دلائل قاطعہ سے کس حد تک مجروح ومقدوح ثابت ہوتے ہیں بلکہ ریشنلزم کی روشنی میں یہ دیکھیں کہ فی نفس الامر احسن اور معقول بات کونسی ہے تاکہ اُسی کا اتباع کیا جائے نہ اپنے خیالاتِ فاسدہ کا کما قال اللہ تعالیٰ فبشر عبادی الذین یستمعون القول ویتبعون احسنہ۔"

لیکن اگر اُن کی مذہبی عصبیت اور تعصب وعناد کسی طرح اُنہیں قبولِ حق کی اجازت نہ دے اور خواہ مخواہ اُنکے دماغ میں جوابدہی کا خیال موجزن ہو تو کم از کم اُنکا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اولاً اپنے اکابر علمائے مذہب سے جو مسائل اسلامیہ پر کافی تبحر رکھنے والے ہوں اور جن کا زہد وتقوی مسلّم ہو اس بارے میں مشورہ کریں اور اُسکے بعد جو کچھ بصوابدید اُن علمائے کرام کے لکھا جائے اُسکے تمام عواقب وجوانب اچھی طرح نظر کرلیں تاکہ جواب الجواب میں اُس کی قلعی کھُلنے پر اُن کی مزید جہالت طشت از بام نہ ہو۔ بہرصورت ہماری مکمل عبارات کو بلاکم وکاست بجنسہٖ نقل کرکے جواب لکھنا لازم ہے ورنہ وہ جواب مسموع نہ ہوگا۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

خاکسار

مصنف